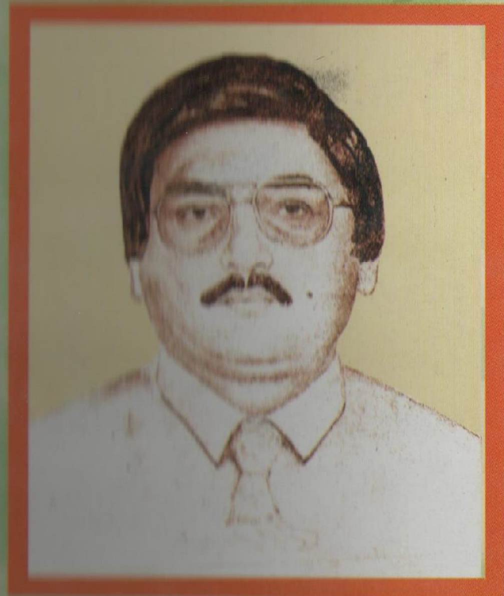
اُردو ماہیے کے بانی

ہمّت رائے شرما



حیدر قریشی



اَن دیکھے جہانوں تک
دل نے پہنچنا تھا
چاہت کے خزانوں تک

حیدر قریشی

اردو ماہیے کے بانی

ہمت رائے شرما

(تحقیق وتنقید)

حیدر قریشی

انٹرنیٹ ایڈیشن ۲۰۱۴ء

یہ کتاب معیار پبلی کیشنز دہلی کی جانب سے ۱۹۹۹ء میں شائع کی گئی۔
پانچ کتابوں کے مجموعہ ''اردو ماہیا تحقیق وتنقید'' میں بھی یہ کتاب شامل ہے۔

مہکار ہے کلیوں کی
جیسے دعا کوئی
دھرتی پہ ہو ولیوں کی

انتساب

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کے نام

جنہوں نے اردو ماہیے کے بانی

ہمّت رائے شرما جی کو پہلی بار دریافت کیا

ملنا ہو تو ملتے ہیں

پھول محبت کے

پت جھڑ میں بھی کھلتے ہیں

ترتیب

پیش لفظ

اردو ماہیے کے بانی ہمّت رائے شرما جی کی چار کتابوں پر میں نے تعارفی نوعیت کے مضامین لکھے ہیں۔''شہاب ثاقب'' (شاعری)،''میاں آزاد کا سفر نامہ'' (پیروڈی)،''ہندو مسلمان'' (کہانیاں)،اور نکاتِ زباندانی''۔ان کتابوں پر لکھے ہوئے میرے مضامین برصغیر کے مختلف اخبارات ورسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔تاہم میں نے شرما جی کے بارے میں سب سے پہلے جو مضمون لکھا تھا وہ تعارفی سے زیادہ تحقیقی نوعیت کا تھا۔'اردو ماہیے کے بانی ہمّت رائے شرما' کے عنوان سے لکھے گئے اپنے اولین مضمون کے بعد مجھے اسی تحقیقی حوالے سے پھر ایک اور مضمون بھی لکھنے کا موقعہ ملا جو اس عنوان سے شائع ہو چکا ہے''اردو ماہیے کے بانی ہمّت رائے شرما،فلم ''خاموشی'' کے گیت اور تحقیق مزید''۔

اردو ماہیے کی تحریک ابھی ابتدائی مراحل سے گزر رہی ہے۔کل تک ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ صرف فلم ''پھاگن'' اور''نیا دور'' میں قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی نے اردو ماہیے لکھے تھے لیکن اب تک یہ حقیقت سامنے آچکی ہے کہ ان سے پہلے ہمّت رائے شرما اور قتیل شفائی نے فلم ''خاموشی'' اور فلم ''حسرت'' (پاکستان) میں اردو ماہیے پیش کئے تھے۔اب تک سات فلموں میں گائے گئے اردو ماہیے دریافت ہو چکے ہیں اور لوک فنکار عطاء اللہ خاں نیازی عیسیٰ خیلوی کے (پرائیویٹ) گائے ہوئے اردو ماہیے بھی سامنے آچکے ہیں۔

میں نے ہمّت رائے شرما جی کے بارے میں اپنے پہلے مضمون میں یہ لکھا تھا کہ ہمّت رائے شرما جی نے درست وزن کے اردو ماہیے سب سے پہلے ۱۹۳۶ء میں کہے تھے اس لئے انہیں

ابھی تک کے ماہیے کے بانی قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی پر اولیت حاصل ہے۔اسی طرح میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ ''تحقیقی اور تاریخی لحاظ سے انہیں چراغ حسن حسرت کے ثلاثی گیت پر بھی اولیت اور فوقیت حاصل ہے''۔اس سلسلے میں میرے پیش نظر دو اہم باتیں تھیں۔

۱۔ چراغ حسن حسرت کے ثلاثی قسم کے ''ماہیے'' پیش کرنے والوں نے ان کا سال اشاعت ۱۹۳۷ء بتایا تھا جو ۱۹۳۶ء کے بعد آتا ہے۔

۲۔ پروفیسر آل احمد سرور نے ''کوہسار جرنل'' کے شمارہ دسمبر ۱۹۹۷ء میں حسرت کے مبینہ ماہیوں کو نظم قرار دیتے ہوئے حمید نسیم کی خودنوشت ''ناممکن کی جستجو'' کا حوالہ دیا تھا۔ چونکہ مجھے جرمنی میں حمید نسیم کی کتاب دستیاب نہ تھی اس لیے میں نے پروفیسر آل احمد سرور کے بیان پر انحصار کرلیا۔لیکن مضمون کی اشاعت کے بعد اب مجھے ''ناممکن کی جستجو'' کے متعلقہ صفحات ملے ہیں تو اندازہ ہو کہ آل احمد سرور صاحب کو سہو ہوا تھا۔کیونکہ حمید نسیم نے اس میں ''حسرت'' کے ثلاثی قسم کے گیت کو ماہیا ہی لکھا ہے۔مزید یہ کہ حمید نسیم کی یادداشت کے مطابق حسرت نے جنوری ۱۹۳۶ء میں مذکورہ ''ماہیے'' ایک مشاعرہ میں سنائے تھے۔

تحقیقی معاملات میں حقائق مقدس ہوتے ہیں۔اس لیے انہیں ماہیے سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے سامنے لا رہا ہوں۔حمید نسیم، ڈاکٹر تاثیر اور چراغ حسن حسرت تینوں ہی میرے نزدیک محترم ہیں۔اول الذکر دو نے اگر ''باغباں'' والے گیت کو ''ماہیا'' لکھا ہے تو ماہیے کی بحث کے حوالے سے مجھے احمد حسین مجاہد کے ایک جوابی مضمون کا اقتباس یاد آ گیا ہے۔وہ اقتباس یہاں درج کررہا ہوں:

''علامہ اقبال نے اپنے چند قطعات کو رباعی کہا ہے تو کیا علامہ اقبال کے کہنے سے قطعات، رباعی ہوگئے ہیں......غالب جیسا بڑا شاعر بھی رباعی کہتے ہوئے بحر سے باہر ہوگیا تھا۔کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ غالب سے غلطی سرزد نہیں ہوئی''۔

(مضمون ''اردو ماہیے کا وزن'' از احمد حسین مجاہد،
مطبوعہ ادبی صفحہ روزنامہ ''نوائے وقت'' اسلام آباد، مورخہ ۹۸۔۵۔۱۹)

سو حمید نسیم اور ڈاکٹر تاثیر کے الفاظ کو بھی غالب اور اقبال اور رباعی اور قطعہ کے حقائق کے تناظر میں دیکھنا چاہئے۔

جہاں تک حمید نسیم کے اس بیان کا تعلق ہے کہ ڈاکٹر تاثیر جنوری ۱۹۳۶ء میں امرتسر کالج کے پرنسپل بن کر آئے اور انہوں نے آتے ہی مشاعرہ کرایا۔ابھی تحقیق طلب ہے۔شرون کمار ورما نے اس سلسلے میں امرتسر سے ریکارڈ تلاش کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہاں سے کوئی ریکارڈ نہیں مل سکا۔البتہ لاہور سے حاصل کردہ معلومات کی بنیاد پر عارف فرہاد نے پورے اعتماد کے ساتھ ڈاکٹر تاثیر کی بحیثیت پرنسپل ایم اے او کالج امرتسر میں تقرری کی تاریخ ۲۰ مئی ۱۹۳۶ء بیان کی ہے۔سو اس معاملے میں مزید تحقیق کی جاسکتی ہے۔تاہم یہ دو حقائق بہرصورت اپنی جگہ موجود ہیں کہ:

۱۔اگر چراغ حسن حسرت نے جنوری ۱۹۳۶ء میں اپنے مبینہ ''ماہیے'' سنائے تھے۔تب بھی حسرت کے ثلاثی اور ہمّت رائے شرما کے ماہیوں کی تخلیق کا وقت تقریباً ایک سا ہی بنتا ہے۔شرما جی کے ماہیے مئی ۱۹۳۶ء میں چھپے تھے۔ان کے لکھے جانے، قبول کئے جانے، بک لٹ میں شامل کئے جانے اور پھر بک لٹ کے شائع ہونے تک کے دورانیہ کا قیاس کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ حسرت اور شرما جی نے تقریباً ایک ہی وقت میں الگ الگ مقامات پر اپنی زیر بحث تخلیقات لکھی تھیں۔

۲۔قمر جلال آبادی نے حسرت سے لگ بھگ ۲۰ سال کے بعد درست وزن کے ماہیے لکھے تھے۔میں نے تب بھی واضح الفاظ میں لکھا تھا کہ:

''حسرت پنجابی ماہیے کے وزن کی نزاکت کا خیال نہیں رکھ سکے......اس لحاظ سے قمر جلال آبادی اردو کے سب سے پہلے ماہیا نگار قرار پاتے ہیں''

(کتاب ''اردو ماہیا نگاری'' ص ۲۱،۲۲)۔

سو اب قمر جلال آبادی کی جگہ ہمّت رائے شرما جی ہی اردو ماہیے کے بانی ہیں، کسی بھی دوسری ''سہ مصرعی صنف'' کے مصنف کو اردو ماہیے کے بانی ہمّت رائے شرما جی کی جگہ نہیں دی جا سکتی۔اس کے باوجود فلم ''خاموشی'' کے لئے لکھے گئے اردو ماہیوں اور فلم ''باغباں'' کے لئے لکھے

گئے ثلاثی قسم کے گیت کے حوالے سے کہا جا سکتا ہے کہ ہمّت رائے شرما جی کو زمانی لحاظ سے بھی چراغ حسن حسرت پر تقدم حاصل ہے۔

یہ وضاحتیں اس لئے کر دی ہیں کہ میں نے اپنے دونوں تحقیقی مضامین کو کسی تبدیلی کے بغیر اس کتاب میں شامل کیا ہے۔اردو ماہیے کے آنے والے زمانے میں یہ سارے تدریجی مراحل ماہیے کے سفر کی داستان سناتے رہیں گے۔

ہمّت رائے شرما جی کے بارے میں لکھے گئے میرے سارے مضامین ان رسائل اور اخبارات میں چھپ چکے ہیں۔''اوراق'' لاہور''انشاء'' کلکتہ۔''جدید ادب'' جرمنی۔''شعروسخن'' مانسہرہ۔''گل کدہ''سہسوان۔روزنامہ''منصف'' حیدر آباد اور ویکلی''صدائے پوٹھوہار'' راولپنڈی ۔فلم''خاموشی'' کے ماہیوں کے بعد ہمّت رائے شرما جی نے مزید ماہیے بھی کہے ہیں۔انکی طویل عمر اور علالت کے باعث ان کے بعض ماہیے خارج ازلحن ہوئے تو میں نے انہیں اس طرف توجہ دلائی۔ مجھے خوشی ہے کہ میری درخواست پر انہوں نے ایسے سارے''ماہیوں'' پر نظر ثانی کی اور مجھے لکھ کر بھیجے۔سوان کے اب تک کے سارے ماہیے اپنی اس کتاب میں یک جا کر رہا ہوں۔ان ماہیوں کے ساتھ ہمّت رائے شرما جی کا خط بھی شائع کر رہا ہوں۔

شرما جی کے فن کے حوالے سے یہ کتاب میری حقیر سی کاوش ہے۔ مجھے امید ہے کہ جیسے جیسے اردو ماہیے کی مقبولیت میں اضافہ ہوگا ویسے ویسے ہمّت رائے شرما جی کے فن پر مزید کام ہوگا۔

میں برادرم شاہد ماہلی کا خاص شکر گزار ہوں جن کی خصوصی توجہ اور محبت کے باعث یہ کتاب شائع ہو رہی ہے۔

حیدر قریشی

مورخہ ۳۰/جون ۱۹۹۹ء

اردو ماہیے کے بانی:ہمّت رائے شرما

ابھی تک کی تحقیق کے مطابق قمر جلال آبادی اردو ماہیے کے بانی تھے۔ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی تازہ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ ہمت رائے شرما جی اردو ماہیے کے بانی ہیں۔سہ ماہی''کوہسار جرنل'' بھاگل پور کے شمارہ اگست ۱۹۹۷ء میں انہوں نے اپنی تحقیقی کاوش''اردو ماہیا کی روایت سے متعلق ہمت رائے شرما کی وضاحت'' کے زیر عنوان پیش کی ہے۔یہی تحریر ماہنامہ ''صریر'' کے شمارہ جون جولائی ۹۷ء میں بھی چھپی ہے لیکن''صریر'' میرے پاس نہیں آتا (چونکہ مطلوبہ مضمون کوہسار ہی میں مل گیا تھا اس لئے''صریر'' کا تراشہ منگانے کی ضرورت نہیں سمجھی) ایک تقریب جس میں ڈاکٹر مناظر شریک تھے،وہاں ایک گیت کے بول سن کر وہ چونکے۔

اک بار تو مل ساجن
آ کر دیکھ ذرا
ٹوٹا ہوا دل ساجن

یہ تو ماہیا ہے......بس یہیں سے انہوں نے ان ماہیوں کے بارے میں اتہ پتہ معلوم کرنا شروع کیا اور ہمت رائے شرما جی تک جا پہنچے۔ان سے خط وکتابت ہوئی اور وہ خط وکتابت انہوں نے یکجا کر دی۔ڈاکٹر مناظر نے تحقیق کا بنیادی نوعیت کا کام تو کر دیا ہے لیکن اس پر ابھی مزید کام کرنے کی خاصی گنجائش ہے لیکن''طے شدہ مطلوبہ نتائج حاصل کرنے والے'' محققین (معترضین) نے اسے علمی انداز میں لینے کی بجائے مناظرانہ رنگ میں پیش کر کے اعتراضات کرنا شروع کر دیئے۔میں یہاں ہمت رائے شرما جی کی اولیت پر ہونے والے اعتراضات کے جواب بھی دوں گا اور اردو ماہیے کے بانی کے سلسلے میں تازہ تحقیق کی روشنی میں اپنا موقف بھی واضح کروں گا۔

یہاں یہ ضروری وضاحت بھی کرتا چلوں کہ ہمت رائے شرما جی ممتاز فلم میکر کیدار شرما کے چھوٹے بھائی ہیں جنہوں نے اپنے زمانے کے کتنے ہی مقبول فنکاروں اور ممتاز ٹیکنیشنز کو متعارف کرایا۔ ہمت رائے شرما جی بھی فلمی دنیا سے وابستہ رہے۔نغمہ نگار، کہانی کار، آرٹ ڈائریکٹر اور ڈائریکٹر تک ان کا اپنا طویل فلمی کیریئر ہے......ان کی پیدائش ۱۹۱۹ء میں ہوئی۔ ۱۹۹۰ء میں ان پر لقوہ اور فالج کا حملہ ہوا۔جان بچ گئی مگر ابھی تک چل پھر نہیں سکتے۔

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی تحقیق چھپتے ہی دو طرح کے ردعمل سامنے آئے۔

ا۔ پروفیسر آل احمد سرور نے کوہسار کے شمارہ دسمبر ۹۷ء میں اپنے خط میں چراغ حسن حسرت کی بطور ماہیا نگار نفی کی اور ان کے مبینہ ''ماہیوں'' کو ایک نظم قرار دیا۔انہوں نے اپنے بیان کو حمید نسیم کی خودنوشت ''ناممکن کی جستجو'' سے اثبات فراہم کیا کہ اس میں حمید نسیم نے اسے نظم قرار دیا ہے اور پوری نظم درج کر دی ہے۔

۲۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے کوہسار کے اسی شمارہ میں ''اردو ماہیا کی روایت سے متعلق ہمت رائے شرما کی وضاحت'' کو حاصل مطالعہ قرار دیا۔

۳۔ میں نے کوہسار کے مذکورہ شمارہ میں ہمت رائے شرما کی اولیت پر خوشی کا اظہار کیا جبکہ دوسری طرف مخالفین نے اس طرح کے اعتراض کئے۔

ا۔ ڈاکٹر مناظر نے اردو ماہیے کے بنیاد گزاروں میں قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی کے ساتھ چراغ حسن حسرت کو بھی تسلیم کرلیا ہے۔

۲۔ اولیت کا سہرا پھر بھی حسرت کے سر بندھتا ہے کیونکہ شرما جی کہتے ہیں فلم خاموشی ۱۹۳۹ء میں آئی جبکہ فلم ''باغباں'' میں حسرت کے ''ماہیے'' ۱۹۳۷ء میں آ گئے تھے۔

پہلے اعتراض کی بنیاد مناظر عاشق کے ان الفاظ پر ہے۔''اردو ماہیا کے بنیاد گذاروں میں ابھی تک کی تحقیق کے مطابق چراغ حسن حسرت، ساحر لدھیانوی اور قمر جلال آبادی کے نام آتے ہیں لیکن میری حالیہ تحقیق یہ ہے کہ اولیت کا سہرا ہمت رائے شرما کے سر ہے۔ (کوہسار اگست ۱۹۹۷ء) اس سلسلے میں بحث کے دوسرے منسلکہ پہلوؤں پر غور کر لینا بھی مناسب ہوگا۔علی

محمد فرشی، نصیر احمد ناصر، سیدہ حنا اور دیپک قمر نے ماہیے کی موجودہ تحریک سے پہلے جو ثلاثی ''ماہیے'' کے عنوان سے پیش کئے تھے وہ بھی حسرت ہی کی طرح تھے۔میرے نزدیک حسرت کی طرح علی محمد فرشی، نصیر احمد ناصر، سیدہ حنا اور دیپک قمر بھی ماہیے کی موجودہ تحریک کے بنیاد گزاروں میں شامل ہیں۔ان کی بنیادی خدمات کی نفی نہیں کی جاسکتی۔انہوں نے ابتدا نہ کی ہوتی تو شاید ماہیے کی موجودہ تحریک کا وجود ہی نہ ہوتا کیونکہ اصلاح احوال کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔تاہم حسرت سے لے کر دیپک قمر تک ان سارے ''بنیاد گزاروں'' کا ماہیے کے لئے اتنا ہی کردار ہے کہ انہوں نے ماہیا نما ثلاثی لکھ کر اصل ماہیے کے لئے راہ ہموار کر دی۔بعینہ جیسے سرسید احمد خان سے لے کر علی اکبر قاصد تک ادیبوں نے انشائیہ کے لئے راہ ہموار کی لیکن انہوں نے جو مضامین لکھے ان میں کوئی بھی مکمل انشائیہ نہیں مانا جاتا......یہی حقیقت ڈاکٹر مناظر عاشق کے پیش نظر تھی وگرنہ وہ اس سے پہلے وضاحت سے لکھ چکے تھے۔

''ماہیا کہنے والوں نے بقول سعید شباب نئے تجربے کو آزمانے سے پہلے اس کے تمام پہلوؤں پر غور کر لینے کی بجائے اور ساحر لدھیانوی اور قمر جلال آبادی کے مثالی نمونوں سے استفادہ کرنے کی بجائے، حسرت والی غلطی دہرائی یعنی تین ہم وزن مصرعوں میں ماہیے کہنے شروع کر دیئے۔''

(حرف اول۔کتاب ''رم جھم رم جھم'' ص ۱۸۔مطبوعہ ۱۹۹۶ء ناشر معیار پبلی کیشنز۔دہلی)

لہٰذا ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کے مضمون میں محض ''بنیاد گزاروں'' کے الفاظ سے کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونا مناسب نہیں کیونکہ اصل حقائق تو اپنی جگہ پر موجود ہیں۔

ہمت رائے شرما جی کے جو خطوط ''کوہسار'' میں شائع ہوئے ہیں ان کی روشنی میں مزید تحقیق کر کے اصل حقیقت تک تو پہنچا جا سکتا ہے لیکن ان پر مکمل انحصار نہیں کیا جا سکتا۔وجہ یہ ہے کہ ہمت رائے شرما جی گذشتہ آٹھ برسوں سے لقوہ اور فالج کی تکلیف میں مبتلا ہیں۔ویسے تو طویل عمر کے بعد پچاس ساٹھ برس پہلے کی باتیں پوری طرح یاد نہیں رہ پاتیں۔ان کا ایک تاثر سا باقی رہتا ہے جبکہ فالج تو ایسی بیماری ہے جو یادداشت کو متاثر کرتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے فلم

''خاموشی'' کے ماہیے لکھنے کا سن کبھی ۱۹۳۹ء بتایا ہے کبھی ۱۹۳۶ء اور کبھی اسے پچپاس ساٹھ سال کے اندازے سے ظاہر کیا ہے۔ان تاریخوں میں جو تضاد ہے اس کا سبب صرف بیماری کی وجہ سے یادداشت کا متاثر ہونا ہے۔وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ ہمت رائے شرما جی نے فلم ''خاموشی'' کے لئے اردو ماہیے ۱۹۳۶ء میں لکھے تھے۔اس حقیقت کی تصدیق دو شواہد سے ہوتی ہے...... یہاں یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ ماہیے کی موجودہ تحریک کا نکتہ آغاز تو بے شک ۱۹۹۰ء تھا لیکن اس کا با قاعدہ آغاز ۱۹۹۲ء میں ہوا۔تب بھی یہ ایک دبی دبی سی آواز تھی......اب ۱۹۹۲ء سے پہلے کے دو ادبی ثبوت دیکھیں۔

۱۔ ہمت رائے شرما ۱۹۱۹ء میں پنجاب کے مردم خیز ضلع سیالکوٹ کے مشہور قصبے نارووال میں ایک معزز خاندان میں پیدا ہوئے......صرف ۱۷ سال کی عمر میں ''خاموشی'' نامی فلم کے گیت لکھ ڈالے (مضمون۔''ہمت رائے شرما اور ان کی تین کتابوں کا خصوصی تعارف، مضمون نگار۔ رئیس الدین فریدی۔مدیر 'روزانہ ہند' کلکتہ۔مطبوعہ ماہنامہ 'انشاء' کلکتہ شمارہ۔اکتوبر، نومبر ۱۹۹۱ء)

۲۔ ۱۹۸۴ء میں ہمت رائے شرما جی کا شعری سرمایہ ''شہاب ثاقب'' کے نام سے شائع ہوا۔کتاب کے فلیپ پر ''شرما جی کا تعارف'' اور ان کی شاعری پر فراق گورکھپوری کی رائے درج ہے۔شرما جی کے تعارف میں یہ الفاظ ہماری تحقیق کے لئے اہمیت کے حامل ہیں۔

''ہمت رائے شرما ایک باکمال فنکار ہیں......۲۳ نومبر ۱۹۱۹ء کو شرما صاحب نارووال ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے......۱۷ سال کی عمر میں فلم ''خاموشی'' کے گیت لکھے''......

اس کتاب کی اشاعت کی وقت ہمت رائے شرما جی ۶۵ سال کے تھے۔بیمار نہیں تھے۔اس لئے اس وقت ان کے تعارف میں جو سن لکھے گئے وہ زیادہ مستند اور اہم ہیں۔خصوصاً اس لئے بھی کہ ۱۹۸۴ء میں نہ تو ان کے تعارف نگار کو اور نہ ہی خود انہیں کوئی ایسی غرض لاحق تھی کہ ماہیے کی تاریخ میں اولیت کا اعزاز حاصل کرنا ہے۔

ان دونوں شواہد کی روشنی میں جو خود ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں، ۱۹۱۹ء میں ۱۷ سال جمع کئے جائیں تو فلم ''خاموشی'' کے ماہیے لکھنے کا سال ۱۹۳۶ء بنتا ہے۔جب تک کوئی نیا

تحقیقی ثبوت نہیں ملتا تب تک فلم ''خاموشی'' کے لئے شرما جی کے اردو ماہیے لکھنے کا سال ۱۹۳۶ء ثابت ہے۔

ہمت رائے شرما جی نے فلم ''باغباں'' میں چراغ حسن حسرت کے مبینہ ماہیوں کا اپنے خطوط میں تذکرہ کیا ہے تو یار لوگوں نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ شرما جی نے حسرت کے ماہیوں سے متاثر ہو کر ماہیے لکھے تھے۔شرما جی کی اولیت تو ویسے بھی ثابت ہو چکی ہے تاہم شدید علالت کے گہرے اثرات کے باوجود ان کے کسی خط سے حسرت کے ماہیوں سے متاثر ہونے کا تاثر نہیں ملتا۔سہ ماہی کوہسار کے اگست ۹۷ء کے یہ دو حوالے پہلے دیکھ لیں۔

o ''ہماری فلم خاموشی ۱۹۳۹ء میں تیار ہوئی تھی اور فوراً ہی ریلیز ہو گئی تھی۔باغباں بھی اسی وقت دیکھی تھی......عبدالرشید کاردار کا باغباں اس کے بعد (فلم ''ہیر سیال'' کے بعد...... ناقل) ریلیز ہوا۔''خاموشی'' بھی اسی زمانے میں ریلیز ہوئی تھی'' (ص ۱۷)

o ''۱۹۳۹ء میں میں نے پہلی بار اردو ماہیا پر فلم خاموشی میں گانا لکھا۔اس وقت میری عمر کوئی سولہ سترہ برس کی ہوگی۔خاموشی کے مکالمہ نگار اور کہانی کار امتیاز علی تاج صاحب تھے۔باغباں بھی ان ہی دنوں ریلیز ہوئی تھی۔پہلے کون سی فلم ریلیز ہوئی یہ یاد نہیں'' (ص ۱۸)

ان دونوں حوالوں سے شرما جی کی سادگی اور نیک نیتی تو ظاہر ہے لیکن کہیں یہ شائبہ تک نہیں ہے کہ انہوں نے حسرت کے مبینہ ماہیوں سے متاثر ہو کر ماہیے لکھے تھے۔اب ایک اور حوالہ دیکھیں۔شرما جی لکھتے ہیں۔

''ایک دن خان صاحب برکت علی خان جو مشہور گلوکار خاں صاحب بڑے غلام علی صاحب کے چھوٹے بھائی خان صاحب برکت علی خان صاحب کے نام سے پہچانے جاتے تھے، ان سے سنا تھا۔

ساون کا مہینہ ہے
ساجن سے جدا رہ کر
جینا کوئی جینا ہے

اب اور نہ تڑپاؤ
ہم کو بلا بھیجو
یا آپ چلے آؤ

یہ ٹھمری نما پہاڑی (راگ) بہت ہی سر میں گاتے تھے کوئی بھی آج تک ان کی نقل نہیں کر سکا۔'' ص (۱۸۔۱۷)

اس میں جو تعریف کی گئی ہے وہ حسرت کے مبینہ ماہیوں کی نہیں بلکہ خان صاحب برکت علی خان صاحب کی کلاسیکل گائیکی کی تعریف ہے۔اس کی مزید تصدیق میرے نام لکھے گئے شرما جی کے ایک خط سے بھی ہوتی ہے۔۱۸ فروری ۱۹۹۸ء کے تحریر کردہ اس خط کا حوالہ ذرا آگے چل کر پیش کروں گا۔ ہمت رائے شرما جی کے کوہسار میں مطبوعہ ایک خط میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں۔''میاں کاردار کی فلم باغباں کا ایک گانا بھی اردو ماہیے میں تھا۔اس کے بول بھی ساتھ ہی ارسال کر رہا ہوں۔'' (ص ۱۵) شرما جی کے بیان کردہ حسرت کے وہ بول یوں ہیں۔

باغوں میں پڑے جھولے	ساون کا مہینہ ہے
تم بھول گئے ہم کو	تم سے جدا ہو کر
ہم تم کو نہیں بھولے	جینا کوئی جینا ہے

اب اور نہ تڑپاؤ
ہم کو بلا بھیجو
یا آپ چلے آؤ

اس حوالے کو بنیاد بنا کر تین ہم وزن مصرعوں کے ثلاثی کو ماہیا منوانے کی کوشش کی گئی ہے۔اس سلسلے میں میری پہلی گذارش یہ ہے کہ اگرچہ شرما جی مذکورہ گیت کو ماہیے سمجھنے کے مغالطے میں مبتلا ہوئے لیکن ماہیے کے سلسلے میں اصلی وزن ان کے شعور میں موجود تھا جو لاشعوری طور پر آخری دو ماہیوں میں آ گیا ہے۔ایسا نہ ہوتا تب بھی محض شرما جی کے مغالطے کو بنیاد بنا کر ثلاثی کو

ماہیا نہیں قرار دیا جا سکتا۔دوسری گذارش یہ ہے کہ حسرت کے ثلاثی کو پروفیسر آل احمد سرور نظم بیان کرتے ہیں۔خود حسرت اسے ''ایک گیت'' لکھتے ہیں۔ڈاکٹر مناظر عاشق بھی اسے گیت قرار دیتے ہیں تو پھر خود اصل شاعر کی بات مان کر اسے صرف ایک فلمی گیت ہی کیوں نہیں مان لیا جائے؟ تیسری عرض یہ ہے کہ میں نے اپنے مضمون مطبوعہ ''صریر'' دسمبر ۹۲ء میں قمر جلالوی کو ماہیا نگار لکھا تھا۔اب ایک کرم فرمانے اوراق جنوری فروری ۹۸ء صفحہ ۲۷۲ پر اصرار کے ساتھ قمر جلالوی کو ماہیا نگار قرار دیا ہے حالانکہ مجھے بھی مغالطہ ہوا تھا اور مذکورہ کرم فرما کو بھی مغالطہ ہوا ہے تو کیا محض اس بنیاد پر کہ حیدر قریشی نے بھی اور اس کے مخالفین نے بھی قمر جلالوی کو ماہیا نگار تسلیم کیا ہے۔قمر جلالوی کو ماہیا نگار مان لیا جائے گا؟ ظاہر ہے ہرگز نہیں۔چوتھی گذارش یہ ہے کہ ماہنامہ ''تجدید نو'' لاہور کے ہائیکو نمبر میں منظر نقوی کے جو ہائیکو شائع ہوئے تھے ان میں ہائیکو تو ایک بھی نہیں تھا البتہ دو ماہیے ان میں ضرور موجود تھے۔

تصویریں بناتا ہوں	جو درد کے مارے ہیں
رنگ نہیں ملتے	نام انہیں کیا دیں
خوں اپنا بہاتا ہوں	ٹوٹے ہوئے تارے ہیں

بظاہر یہ ماہیے، ماہیے کے طور پر نہیں، ہائیکو کے زیرِ عنوان چھپے ہیں لیکن جب یہ حقیقتاً ماہیے ہیں تو ماہیے ہیں۔میں نے یہ دونوں ماہیے اپنی کتاب ''اردو میں ماہیا نگاری'' میں بطور حوالہ درج کئے ہیں۔سیدھی سی اور سادہ سی بات ہے جو ماہیا سہولت کے ساتھ اپنے فطری بہاؤ میں ماہیے کی پنجابی دھنوں پر گایا، گنگنایا جا سکتا ہے وہ ماہیا ہے جو اس معیار پر پورا نہیں اترتا وہ کلاسیکل موسیقی کا شاہکار ہو سکتا ہے۔اعلیٰ ادبی فن پارہ ہو سکتا ہے لیکن ماہیا نہیں ہو سکتا۔پانچویں اور آخری گذارش یہ ہے کہ تین ہم وزن مصرعوں میں احباب نے من چاہی بحریں ایجاد کر لی تھیں۔اس کی چند مثالیں ''اردو میں ماہیا نگاری'' کے صفحہ نمبر ۲۵ پر دیکھی جا سکتی ہیں۔اسی طرح ڈاکٹر مناظر نے بھی اوراق جنوری،فروری ۹۸ء میں ''تجرباتی ماہیے'' پیش کئے ہیں۔اگرچہ ان پر تجرباتی کا لفظ لکھا ہوا موجود ہے تاہم ظاہر ہے یہ ماہیے نہیں ہیں۔اب اگر کوئی دوست اصرار کریں کہ چونکہ مناظر

صاحب نے اس بحر میں ماہیے ہیں لہٰذا یہ ماہیے ہیں تو یہ بات غلط ہوگی۔سو ہمت رائے شرما جی نے اگر حسرت کے ثلاثی کو ماہیے لکھ دیا ہے (بلکہ ماہیے کر بھی دیا ہے) تو اس سے وہ ماہیے نہیں ہو جائیں گے۔

فلم باغباں اور چراغ حسن حسرت کے ’’ماہیوں‘‘ کا ذکر چل نکلا ہے تو یہاں ممتاز موسیقار نوشاد کی یادداشتوں سے ایک حوالہ پیش کر دینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔نوشاد صاحب لکھتے ہیں۔

’’انہوں نے (مشہور اداکار اشرف خان نے۔ناقل) فلم باغباں میں اپنی رسیلی آواز میں ایک گیت گایا تھا جو فلم میں بھی ان ہی پر فلمایا گیا تھا۔اس گیت کی طرز مشتاق حسین صاحب نے بنائی تھی اور ان دنوں میں مشتاق صاحب کے ساتھ ہارمونیم بجایا کرتا تھا۔اس گیت کے بول تھے۔

رورو نین گنواؤں
سجنوا آن ملو

یہ گیت بلکہ باغبان کے تمام نو گیت اپنے وقت کے کامیاب کامیڈین مرزا اشرف نے پنجاب کے لوک گیتوں کی بنیاد پر لکھے تھے اور آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ان نو گیتوں کا معاوضہ مرزا صاحب کو صرف نوے روپے دیا گیا تھا یعنی دس روپے فی گیت۔‘‘

(نوشاد کی کہانی۔مطبوعہ ماہنامہ شمع نئی دہلی۔شمارہ اکتوبر ۱۹۸۹ء ص ۳۳)

اگر باغباں کے سارے گیت مرزا اشرف نے لکھے تھے تو چراغ حسن حسرت کے مبینہ ’’ماہیوں‘‘ کی گیت کاری کا معاملہ ہی گڑبڑ ہو جاتا ہے۔اس کے باوجود میرے نزدیک حسرت کے مقام و مرتبے پر کوئی حرف نہیں آنا چاہئے۔اسے زیادہ سے زیادہ نوشاد صاحب کا مغالطہ سمجھا جا سکتا ہے۔سو مغالطہ ہمت رائے شرما جی کا ہو یا نوشاد صاحب کا، کسی مغالطہ کی بنیاد پر حقائق کو مسخ کرنے کی کاوش نہیں ہونی چاہئے۔

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی تحقیق سامنے آنے کے بعد میں نے ہمت رائے شرما جی

سے براہ راست رابطہ قائم کیا۔ان سے تھوڑی بہت خط و کتابت بھی ہے۔دو بار میں نے ان سے ٹیلیفون پر بات کی ہے۔ان کی آواز میں لقوہ کے حملہ کے واضح اثر ہے تاہم ہماری محبت کے کسی انجانے جذبے نے ان کی گویائی کی قوت بڑھا دی......انہوں نے فون پر بتایا کہ میں پنجابی ہوں، پنجابی ماہیا (اور بولیاں بھی) میرے اندر بسے ہوئے ہیں۔ابھی میں کم عمر تھا، امرتسر میں گرمیوں کے ایام تھے رات کے وقت میں گھر کی چھت پر چارپائی پر لیٹا ہوا تھا کہ ایک دردبھری آواز سنائی دی۔یہ ہمارے گھر سے کچھ دور رہنے والے ایک نوجوان کی آواز تھی جو اپنے درد میں مگن پنجابی ماہیا گا رہا تھا۔(بعد میں پتہ چلا تھا کہ وہ نوجوان اپنی محبت میں ناکام ہو چکا تھا)۔گرمیوں کی رات، کھلی چھت اور گہری خاموشی سے ابھرتی ہوئی ماہیا گانے کی دردبھری آواز......مجھ پر سحر طاری ہو گیا۔یہی سحر تھا جس نے بعد میں مجھ سے فلم خاموشی کے ماہیے لکھوائے۔

یہ باتیں ہمت رائے شرما جی نے مجھے ٹیلیفون پر بتائی تھیں۔ان سے بھی ظاہر ہے کہ پنجابی ماہیا براہ راست ان کے اندر اترا ہوا تھا۔اگر ان پر کسی کا اثر تھا تو وہ امرتسر کا وہ ناکامِ محبت نامعلوم شخص تھا جس کے درد کی سچائی نے پنجابی ماہیے کو دوآتشہ کر کے ہمت رائے شرما جی کو باندھ لیا تھا۔فلم ’’خاموشی‘‘ میں ہمت رائے شرما جی کے تمام ماہیے یہاں درج کر دینا مناسب ہے۔

۱۔ اک بار تو مل ساجن
آ کر دیکھ ذرا
ٹوٹا ہوا دل ساجن

۲۔ سہمی ہوئی آہوں نے
سب کچھ کہہ ڈالا
خاموش نگاہوں نے

۳۔ کچھ کھو کر پائیں ہم
دور کہیں جا کر
اک دنیا بسائیں ہم

۴۔ یہ طرز بیاں سمجھو
کیف میں ڈوبی ہوئی
آنکھوں کی زباں سمجھو

۵۔ تارے گنواتے ہو
بن کر چاند کبھی
جب سامنے آتے ہو

۶۔ سرمست فضائیں ہیں
پیتم پریم بھری
پھاگن کی ہوائیں ہیں

۷۔ اشکوں میں روانی ہے
آنسو پی پی کر
مدہوش جوانی ہے

۸۔ کچھ کھو کر پاتے ہیں
یاد میں ساجن کی
یوں جی بہلاتے ہیں

۹۔ کیا اشک ہمارے ہیں
آنسو مت سمجھو
ٹوٹے ہوئے تارے ہیں

۱۰۔ دو نین چھلکتے ہیں
ساجن آ جاؤ
ارمان مچلتے ہیں

یہ ماہیے ہمت رائے شرما جی نے خود گائے تھے۔شاید یہ برصغیر کی فلمی تاریخ کا ریکارڈ بھی تھا کہ کسی گیت کار نے اپنا لکھا ہوا ماہیا گیت آپ گایا تھا۔گلوکار کے طور پر ان کا نام ہمت رائے دیا گیا تھا۔شرما جی نے اپنے گائے ہوئے ماہیے خود پہلی بار کیسے سنے......اس سلسلے میں انہوں نے میرے نام اپنے خط محررہ ۹۸۔۲۔۱۸ میں یہ دلچسپ واقعہ لکھا ہے۔

’’مجھے یاد ہے جب میں اپنی سگائی کے سلسلے میں امرتسر گیا تو ہال بازار میں گراموفون ریکارڈ ڈیلر کی دکان کے آگے کچھ آدمیوں کو کھڑے دیکھا۔اس وقت جب کوئی نیا ریکارڈ بازار میں آتا تھا تو لوگ اسے سننے کے لئے دکان کے سامنے کھڑے ہو جاتے۔میں بھی تانگے سے اتر کر وہیں جا کھڑا ہوا اور پھر غور سے جو سنا تو حیران رہ گیا۔وہ میری ہی آواز میں گا رہا تھا۔مجھے اپنی آواز بڑی عجیب سی لگی۔گانا بہت سر میں گایا تھا لیکن مجھے اپنی آواز بالکل پسند نہیں آئی۔میری آواز مائیکرو فون کے لئے بالکل ناموزوں ہے‘‘......اس واقعہ کی دلچسپی اپنی جگہ......تاہم اپنی آواز کے بارے میں شرما جی کے احساس سے صاف ظاہر ہے کہ ایک سترہ سالہ لڑکے کی آواز کے مقابلے میں انہیں

استاد برکت علی خاں جیسے پختہ گائیک کا فلم باغباں کے لئے گایا ہوا کلاسیکی طرز کا گیت کیوں اچھا لگا ہو گا۔

ان تمام شواہد اور حقائق کی بنیاد پر یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی سے بھی پہلے اردو ماہیے کے درست وزن کا اولین اظہار ہمت رائے شرما جی نے ۱۹۳۶ء میں کیا تھا۔تحقیقی اور تاریخی لحاظ سے انہیں چراغ حسن حسرت کے ثلاثی گیت پر بھی اولیت اور فوقیت حاصل ہے۔سو بلا شک وشبہ ہمت رائے شرما جی اردو ماہیے کے بانی ہیں۔
ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی اس انکشاف اور دریافت پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔

مطبوعہ: Oماہنامہ انشاء کلکتہ شمارہ ستمبر،اکتوبر ۱۹۹۸ء
O’’اوراق‘‘ لاہور شمارہ جنوری،فروری ۱۹۹۹ء

☆☆☆☆

اردو ماہیے کے بانی......ہمّت رائے شرما

فلم ''خاموشی'' اور تحقیق مزید

اپنے مضمون ''اردو ماہیے کے بانی۔ ہمّت رائے شرما'' میں 1984ء اور 1991ء کے دو ادبی شواہد کی بنیاد پر فلم ''خاموشی'' کے ماہیے لکھنے کا سال 1936ء ظاہر کرنے کے ساتھ میں نے لکھا تھا:

''جب تک کوئی نیا تحقیقی ثبوت نہیں ملتا تب تک فلم ''خاموشی'' کے لئے شرما جی کے اردو ماہیے لکھنے کا سال 1936ء ثابت ہے''۔

اس بیان کی رو سے کسی نئے تحقیقی ثبوت کی گنجائش موجود تھی جس سے اس تحقیق کی تصدیق بھی ہو سکتی تھی اور تردید بھی ہو سکتی تھی۔ اب ایک ایسا ٹھوس ثبوت سامنے آ گیا ہے جس کے بعد ہم اعتماد کے ساتھ ہی نہیں تحدّی کے ساتھ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہمّت رائے شرما جی نے 1936ء میں فلم ''خاموشی'' کے لئے اولین ماہیے پیش کئے تھے۔

نیا دستیاب ہونے والا فیصلہ کن ثبوت پیش کرنے سے پہلے یہ وضاحت کر دوں کہ میں نے فلم ''خاموشی'' بننے کا سال معلوم کرنے کے لئے ممتاز موسیقار نوشاد سے استفسار کیا تو انہوں نے نے مجھے لکھا:

''جہاں تک فلم خاموشی کا تعلق ہے اس کے موسیقار چشتی صاحب ہی ہیں۔ وہ بفضل خدا حیات ہیں۔ آپ ان سے معلوم کر سکتے ہیں۔ موسیقار خیّام ان کے اسسٹنٹ تھے، وہ بھی اس معاملے میں زیادہ بہتر اور باوثوق اطلاع فراہم کر سکتے ہیں''۔

(اس خط پر نوشاد صاحب نے تاریخ درج نہیں کی لیکن لفافے پر باندرہ پوسٹ آفس کی

مہر پر 7/اپریل 1998ء کی تاریخ آسانی سے پڑھی جا سکتی ہے)۔ نوشاد صاحب کے مشورہ کے مطابق میں نے خیام صاحب کو دو تین خطوط لکھے۔ جب میں نے ہمّت رائے شرما کو آگاہ کیا کہ تب چشتی صاحب کے اسسٹنٹ خیّام صاحب سے بھی فلم ''خاموشی'' کے سال کے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں لگا ہوا ہوں، تو اس پر شرما جی نے اپنے ایک خط میں لکھا:

''آپ نے مجھے لکھا ہے کہ آپ نے خیّام سے فلم ''خاموشی'' کے بارے میں معلومات مانگی ہیں۔ یہ پڑھ کر حیرت ہوئی بھلا خیّام کا ''خاموشی'' سے کیا تعلق؟ ان کے قریبی رشتے دار غلام احمد چشتی صاحب البتہ فلم ''خاموشی'' کے موسیقار تھے۔ ہم لوگ ایک ساتھ ایک جگہ رہتے تھے۔ چشتی صاحب کے اسسٹنٹ کا نام تھا کالے خاں''

(مکتوب ہمّت رائے شرما بنام حیدر قریشی، مورخہ 20-10-98)

ہمّت رائے شرما جی کی بات درست تھی شاید اسی وجہ سے خیّام صاحب نے میرے بار بار لکھے گئے خطوط کے جواب ہی نہیں دیئے۔ ظاہر ہے جس بات کا انہیں علم ہی نہیں تھا وہ مجھے کیسے بتاتے۔ تاہم میں نے فلمی دنیا سے مزید شواہد تلاش کرنے کی جدوجہد جاری رکھی۔ اس تلاش میں اس لئے بھی مشکلات پیش آ رہی تھیں کہ فلم ''خاموشی'' کلکتہ میں بنی تھی۔ تب فلموں کا گڑھ کلکتہ ہوا کرتا تھا۔ بمبئی میں فلمسازی کے ابتدائی تجربے ضرور ہونے لگے تھے۔ برادرم ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے بھی اپنے طور پر کوشش کی، تاہم ہمّت رائے شرما جی کی ہمّت سے ہی آخر کار ہمیں فیصلہ کن ثبوت مل گیا ہے۔ وہ ثبوت مجھے بھیجتے ہوئے 21/دسمبر 1998ء کے اپنے تحریر کردہ خط میں ہمّت رائے شرما جی لکھتے ہیں:

''آج سے ساٹھ باسٹھ سال پرانی فلم ''خاموشی'' کی Booklet جو پرانے گودام کے ایک اسٹور سے پھٹی پرانی حالت میں مل گئی ہے یہ اسی رنگدار سرِ ورق کی فوٹو کاپی ہے۔ اس میں وہ سب کچھ درج ہے جس کی تلاش تھی۔ یہ فوٹو کاپی بے حد اہم اور نایاب ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لئے بہت محنت کرنا پڑی۔ کافی رقم خرچ ہوئی کیونکہ اسے حاصل کرنے کے لئے خاص آدمی کو کلکتے بھیجنا پڑا''۔

سرِ ورق پر ہیروئن رمولا کی تصویر ہے۔دائیں طرف اوپر انگریزی میں، درمیان میں ہندی میں اور نیچے اردو میں فلم کا نام ''خاموشی'' لکھا ہوا ہے اور آخر میں صرف انگریزی میں ڈائریکٹر آر۔سی۔تلوار کا نام لکھا ہے۔سرِ ورق کے اندر کی طرف فلم پروڈیوسر، ڈائریکٹر، کاسٹ اور اہم ٹیکنیشینز وغیرہ کے نام درج ہیں۔یہ سارے نام انگریزی میں لکھے ہیں۔پروڈیوسر ایل۔آر۔ پرشر ہیں (ایل آر=لاہوری) ''پروڈیوسر انڈر دی بینر آف تلوار پروڈکشنز (انڈر نیو مینجمنٹ) مئی 1936ء'' درج ہے۔انگریزی کے اصل الفاظ ہی یہاں پر درج کر دیتا ہوں:

Producer under the banner of....TALWAR PRODUCTIONS(Under new managment) may,1936

فلم ''خاموشی'' کی بک لیٹ پر مئی 1936ء کا اندراج یہ ثابت کر دیتا ہے کہ ہمّت رائے شرما جی نے 1936ء میں پہلی بار اس فلم کے لئے اردو ماہیے لکھے۔''مئی 1936ء'' سے ہمّت رائے شرما جی کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے:

''میں نے پہلی بار اردو ماہیے پر فلم ''خاموشی'' میں گانا لکھا۔اس وقت میری عمر سولہ سترہ برس کی ہوگی''

شرما جی 23/نومبر 1919ء کو پیدا ہوئے تھے، 23/نومبر 1935ء کو وہ سولہ برس کے ہو گئے تھے اور 23/نومبر 1936ء تک وہ ماہیے لکھ چکے تھے۔تب ان کی عمر ساڑھے سولہ سال بنتی ہے جو سولہ اور سترہ کا درمیان ہے۔خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔

مئی 1936ء میں بک لیٹ چھپی ہے تو اس کے گیت اس سے بھی پہلے لکھے گئے ہوں گے۔اس سے ان تمام معترضین کے منہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتے ہیں جو ہمّت رائے شرما جی کو اردو ماہیے کا بانی تسلیم کرنے کی بجائے حیلے بہانے سے ان کی خدمات کو دھندلانے کی کوشش کر رہے تھے۔

ہمّت رائے شرما جی نے بغیر تاریخ درج کئے مجھے ایک خط لکھا تھا۔یہ خط مجھے سات اپریل 1998ء کو موصول ہوا تھا۔چنانچہ میں نے اس خط کے اوپر یہ الفاظ لکھ کر اپنے دستخط کر دیئے تھے۔''یہ خط سات اپریل ۱۹۹۸ء کو موصول ہوا''میں اپنے مضمون ''اردو ماہیے کے بانی۔ہمّت

رائے شرما'' میں بھی اس خط کا ایک اہم حصہ شامل کرنا چاہتا تھا چونکہ شرما جی کی یادداشت پر مکمل بھروسہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اس لیے میں تذبذب کی حالت میں رہا اور اپنے پہلے مضمون میں شرما جی کا ایک خاص بیان شامل نہیں کیا، لیکن اب مئی 1936ء کا ثبوت مل جانے کے بعد پورے اعتماد کے ساتھ ان کا بیان شائع کر رہا ہوں۔شرما جی میرے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں:

''ایک اور عجیب بات سنئے۔''خاموشی'' کی Booklet جب میں گھر لایا تو اس وقت کاردار صاحب ہمارے ڈرائنگ روم میں آرام فرما رہے تھے۔دیوکی بوس کے اسسٹنٹ نند کشور مہرہ اور میرے بھائی صاحب (کیدار ناتھ شرما جی۔ناقل) بھی وہیں موجود تھے۔میاں کاردار نے میرے ہاتھ سے خاموشی کی Booklet لے لی اور پڑھنے لگے۔پڑھتے پڑھتے مجھ سے کہا اوئے کاکا ایہہ تے ماہیئے جاپدے نے۔اے ماہیئے لکھے ای۔میں نے جواب دیا جی ہاں۔وہ اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے کئی بار یہ ماہیئے پڑھے۔غالباً ان سے متاثر ہو کر انہوں نے چراغ حسن صاحب سے ماہیے ثلاثی ''باغبان'' فلم کے لئے لکھوائے ہوں گے''

اسی خط میں ہمّت رائے شرما جی نے یہ حقیقت بھی واضح کی ہے:

''استاد برکت علی خاں نے ''باغباں'' میں جو گیت گایا تھا وہ پنجابی ماہیا سے بالکل میل نہیں کھاتا تھا بلکہ بالکل کلاسیکی گانا تھا جسے 'جھنجھوٹی'' کہا جاتا ہے۔یہ گانا بہت مشکل ہوتا ہے''۔

فلم ''خاموشی'' کی Booklet میں درج کوائف کے مطابق اسکرین پلے اور ڈائیلاگ امتیاز علی تاج۔گیت کار ہمّت رائے۔موسیقار جی۔اے۔چشتی، آرٹ ڈائرکٹر ہمّت رائے۔اور اداکاروں کی لسٹ میں یہ نام شامل ہیں رمولا (ہیروئن) گیانی، رام دلاری، شیام (ہیرو) سندر سنگھ، گاما، لیلیٰ مشرا، امرناتھ پاسان، منورما، آنند کشور، ہمّت رائے وغیرہ وغیرہ تھے۔

خاموشی کی Booklet میں درج گیتوں کے ٹکڑے یہاں درج کر دینا مناسب لگتا ہے۔گیت نمبر 1: دو گانا ہے اور ایک شہزادے اور شہزادی کی کہانی کو گا کر بیان کیا ہے۔

ایک شہزادی کہ تھی بے حد حسیں
خوبرو، نازک بدن، خندہ جبیں

گیت نمبر2:

نین ہمارے باورے من کی ایک نہ مانیں

پریت کئے کیا ہوت ہے یہ پگلے کیا جانیں

اسی مکھڑے سے شروع ہونے والا ایک گیت شرما جی کے مجموعہ کلام ''شہاب ثاقب'' کے صفحہ نمبر 103 پر درج ہے لیکن مکھڑے کے بعد مجموعہ میں شامل گیت فلمی گیت سے بالکل مختلف ہے۔غالبًا اپنے فلمی گیت کے مکھڑے سے شرما جی نے نیا گیت تخلیق کیا ہے۔

گیت نمبر3:

جھولا ڈالیں ڈار پر توڑیں جا کر آم

چلو چمیلی باغ میں کہے دیالو رام

چل چل چل چل۔چل چل چمیلی باغ میں جھولا جھلائیں گے

فلم ''خاموشی'' میں ہیرو ڈاکٹر پرکاش کے ایک دوست کا نام دیالو ہے۔میرا اندازہ ہے کہ فلمی سچویشن کے مطابق یہ گیت ہیرو کے دوست دیالو رام پر پکچرائز کیا گیا ہوگا۔چل چل چمیلی باغ میں جھولا جھلائیں گے۔ یہاں سے شروع ہونے والا گیت تو پتہ نہیں کب اور کیسے ہمارے بچپن میں شامل ہو گیا تھا۔ میں نے یہی گمان کیا کہ شاید یہ گیت میں نے اپنی امی اور خالہ سے سنا ہو۔ جب میں نے ہمّت رائے شرما جی کو اس سلسلے میں لکھا کہ یہ گیت تو ہم بچپن میں گایا کرتے تھے، مجھے کیا پتہ تھا کہ یہ آپ کی تخلیق ہوگی۔تب شرما جی نے بڑی صاف گوئی سے مجھے لکھا:

''فلم ''خاموشی'' کا گانا چل چل چمیلی باغ میں میوہ کھلائیں گے، دراصل یہ بہت ہی پرانا لوک گیت ہے جسے ساٹھ ستر سال پہلے ہم لوگ بھی بچپن میں گایا کرتے تھے۔اس کا پہلا مصرع وہی ہے جو پہلے سے تھا۔البتہ اس کے بعد کے سب بول میرے لکھے ہوئے ہیں''

گیت نمبر4:

گھبراتا ہے دل، لہراتا ہے دل، جب یاد کسی کی آتی ہے

روتی ہے گھٹا، جب پی کی صدا، ٹوٹی ہوئی لَے بن جاتی ہے

بقول ہمّت رائے شرما یہ گیت دراصل پنجابی ''گِدا'' کی اردو شکل ہے۔''شہاب ثاقب'' کے صفحہ نمبر 101 پر یہ پورا گیت شامل ہے۔

گیت نمبر5:

نین تورے متوالے سجنیاں۔نین تورے متوالے۔ ہیں مدھ کے پیالے

یہ گیت دوگانا ہے۔لڑکا اور لڑکی مل کر گاتے ہیں۔

گیت نمبر6: چاندنی ہے موسمِ برسات ہے۔آ وَ ڈیئر کیا سہانی رات ہے

یہ بھی دوگانا ہے۔

گیت نمبر7:

سرمست فضائیں ہیں

پیتم پریم بھری

پھاگن کی ہوائیں ہیں

یہ گیت ان تاریخی ماہیوں پر مبنی ہے جو اردو ماہیے کی بنیاد بن چکے ہیں۔Booklet میں 6 ماہیے گیت نمبر 7 کے طور پر درج ہیں غالبًا Booklet چھپنے تک صرف 6 ماہیے ہی لکھے گئے تھے جبکہ ''شہاب ثاقب'' میں 10 ماہیے شامل ہیں گویا باقی ماہیے Booklet کے دوران ہی لکھ لئے گئے تھے اور انہیں فلم میں شامل کر لیا گیا تھا۔اس سلسلے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ''شہاب ثاقب'' میں شامل پہلے پانچ ماہیے خاموشی کی Booklet میں شامل نہیں ہیں۔ وہ ماہیے یہاں دہرا دینا ضروری ہیں۔

ا۔

ایک بار تو مل ساجن

آ کر دیکھ ذرا

ٹوٹا ہوا دل ساجن

۲۔

سہمی ہوئی آہوں نے

سب کچھ کہہ ڈالا

خاموش نگاہوں نے

۳۔

کچھ کھو کر پائیں ہم

دور کہیں جا کر

اک دنیا بسائیں ہم

۴۔

یہ طرزِ بیاں سمجھو

کیف میں ڈوبی ہوئی

آنکھوں کی زباں سمجھو

۵۔

تارے گنواتے ہو

بن کر چاند کبھی

جب سامنے آتے ہوئے

ہمّت رائے شرما جی نے میرے نام اپنے خط محرّرہ 18 فروری 1998ء میں صراحت کے ساتھ لکھا تھا:

''یہ سبھی ماہیے فلم ''خاموشی'' کے لئے ہی لکھے گئے تھے اور یہ سب کے سب میری کتاب ''شہابِ ثاقب'' کے صفحہ نمبر 85 اور 86 پر درج ہیں''۔

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے اپنے تحقیقی سرمایہ ''اردو ماہیا کی روایت سے متعلق ہمّت رائے شرما کی وضاحت'' مطبوعہ سہ ماہی ''کوہسار'' اگست 1997ء میں لکھا ہے: ''ایک

تقریب میں درج ذیل بول میری سماعت سے ٹکرائے تو تجسس پیدا ہوا:

اک بار تو مل ساجن

آ کر دیکھ ذرا

ٹوٹا ہوا دل ساجن''

کسی تقریب میں گائے گئے جو بول سن کر ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے ہمّت رائے شرما جی کو دریافت کیا تھا وہ بظاہر ''خاموشی'' کی Booklet میں شامل نہیں ہیں لیکن مناظر صاحب نے اسی لے کو سن کر اپنی تحقیق کا آغاز کیا۔ گویا شرما جی کی یہ بات درست ہے کہ یہ سارے ماہیے گائے گئے تھے۔ Booklet میں شامل 6 ماہیے درج ذیل ہیں:

۱۔

سرمست فضائیں ہیں

پیتم پریم بھری

پھاگن کی ہوائیں ہیں

۲۔

اشکوں میں روانی ہے

آنسو پی پی کر

مدہوش جوانی ہے

۳۔

کچھ کھو کر پاتے ہیں

یاد میں ساجن کی

یوں دل بہلاتے ہیں

۴۔

بھیگی ہوئی راتوں میں

ہم تم کھو جائیں
پھر پریم کی باتوں میں

۵۔

کیا اشک ہمارے ہیں
آنسو مت سمجھو
ٹوٹے ہوئے تارے ہیں

۶۔

دو نین چھلکتے ہیں
ساجن آ جاؤ
ارمان مچلتے ہیں

ان ماہیوں کے سلسلے میں تین ضروری وضاحتیں کر دوں:

۱۔ Booklet کے ماہیا نمبر 3 کا تیسرا مصرع ''یوں دِل بہلاتے ہیں''۔ ''شہاب ثاقب'' میں ''یوں جی بہلاتے ہیں'' درج ہے۔

۲۔''شہاب ثاقب'' میں دس ماہیے شامل ہیں۔ پہلے پانچ وہی ہیں جو Booklet میں شامل نہیں، لیکن گائے گئے تھے۔ بقیہ پانچ ماہیوں میں Booklet کے ماہیا نمبر4 کو چھوڑ کر باقی سارے Booklet والے ماہیے ہیں اور اسی ترتیب کے ساتھ ہیں۔

۳۔فلم ''خاموشی'' کے لئے گائے گئے ہمّت رائے شرما جی کے اولین ماہیوں کی تعداد ابھی تک دس سمجھی جا رہی تھی لیکن Booklet کے ماہیا نمبر4 سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ماہیا سہواً ''شہاب ثاقب'' میں شامل ہونے سے رہ گیا ہے۔سو اب یہ گمشدہ ماہیا بھی دریافت ہو گیا ہے:

بھیگی ہوئی راتوں میں
ہم تم کھو جائیں
پھر پریم کی باتوں میں

اور اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمّت رائے شرما جی نے فلم ''خاموشی'' کے لئے جو ماہیے لکھے تھے ان کی تعداد دس نہیں بلکہ گیارہ تھی۔ یہی ماہیے اردو ماہیے کا اولین نقش اور اردو ماہیے کی بنیاد ہیں۔

گیت نمبر 8:
جب سے نین پیا سنگ لاگے۔ جاگے ہمرے بھاگ
یہ گیت ''شہاب ثاقب'' کے صفحہ 102 پر درج ہے۔

گیت نمبر 9:
من کو کیسے بہلائیں ہم۔ یہ بپتا کسے سنائیں ہم

گیت نمبر 10:
سرمست فضائیں ہیں
پیتم پریم بھری
ساون کی ہوائیں ہیں

گیت نمبر 10 کے طور پر صرف دو ماہیے دیئے گئے ہیں۔ دوسرا ماہیا گیارہواں گمشدہ ماہیا ہے جو اب Booklet کے ذریعہ دریافت ہوا ہے۔ ممکن ہے یہاں صرف دو ماہیے درج کرنے کا مطلب یہ ہو کہ آخری مرحلے تک اس گیت کے لکھے جانے اور اس کے شامل کئے جانے کا انتظار ہو۔

''فلم خاموشی'' کی Booklet سامنے آنے کے بعد اردو ماہیے کے بانی ہمّت رائے شرما جی کی ماہیا نگاری کا سال 1936ء ثابت ہونے کی مزید تصدیق ہو گئی ہے اور ماہیے لکھے جانے کا مہینہ بھی کم از کم مئی (1936) تو ظاہر ہی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ تحقیقی مواد آنے والے وقت میں ماہیے پر سنجیدگی سے کام کرنے والوں کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

مطبوعہ اوراق لاہور

میاں آزاد کا سفر نامہ

ہمت رائے شرما جی ایک عرصہ سے رتن ناتھ سرشار کے ''فسانہ آزاد'' کے سحر میں گھِرے ہوئے تھے۔ آخر اس کے جادو نے اثر دکھایا اور ہمت رائے شرما جی نے میاں آزاد کو آج کے لکھنو میں لا کھڑا کیا۔ پھر انہیں ایک سفر بمبئی کا کرایا اور ایک سفر دلی کا۔ یوں ''فسانہ آزاد'' کے دو نئے فسانے، دو نئے سفر نامے سامنے آئے۔ ہمت رائے شرما جی ایک عمدہ پیروڈی نگار، خوبصورت مزاح نگار اور اور زبان پر حیرت انگیز قدرت رکھنے والے ادیب مانے گئے۔ ''میاں آزاد فلمی دنیا میں'' اور ''میاں آزاد سیاست کے میدان میں'' یہ دونوں اسفار ''میاں آزاد کا سفر نامہ'' کے نام سے کتابی صورت میں چھپ چکے ہیں۔ ہمت رائے شرما جی نے کتاب کے ''حرفِ آغاز'' میں لکھا ہے۔:

''پنڈت رتن ناتھ سرشار کے مخصوص اسلوب کو اپنانا لوہے کے چنے چبانا تھا۔''

بے شک حقیقت ایسے ہی ہے لیکن میرے جیسوں کے لیے۔ ہمت رائے شرما جی نے تو سرشار کے مخصوص اسلوب کو یوں روانی کے ساتھ نبھایا ہے گویا میاں آزاد اس زمانے میں نہیں آئے، خود رتن ناتھ سرشار اس زمانے میں آ گئے ہیں اور ''فسانہ آزاد'' کو اپنے اسی مخصوص اسلوب کے ساتھ نئے زمانے سے ملا کر پھر سے لکھنے لگے ہیں۔

بمبئی میں میاں آزاد پہنچے تو بمبئی کا نقشہ انہیں کیسا لگا۔ آپ بھی دیکھئے:

''جدھر دیکھو بے شمار کاریں ، ٹیکسیوں کی قطاریں، دونوں طرف عالی شان مکانوں کی بناوٹ ۔ نیچے دکانوں کی سجاوٹ، واہ واہ کیا شہر ہے! خدا کی شان، اس شہر

کے قربان، نشاط آباد ہے، واقعی عروس البلاد ہے۔''

بمبئی کی فلم نگری کا نقشہ یوں بیان ہوتا ہے:

''کہیں پریوں کا ہجوم، کہیں پلے بیک کی دھوم، یہاں میراثی وہاں ڈوم، کہیں زاغ کہیں بوم، دوشیزائیں ہیں کہ واہ واہ! ایک سے ایک بڑھ کے دنیا سے نرالی ، مئے کی پیالی، فتنۂ زمانہ، آفت ڈھانے والی، جسے دیکھو نور کا عالم''۔

اور اب دلّی کا نظارہ:

☆ ''واہ واہ کیا شہر ہے ۔ جیسا سنا تھا ویسا دیکھ لیا۔ جدھر دیکھو چہل پہل، ہر محلّہ آباد، چپہ چپہ روکش بہشت شداد، سڑکوں پر دورویہ عالیشان کوٹھیاں اور بنگلے، پنج منزلہ ہفت منزلہ اونچے مکان، گویا آسمان سے باتیں کرتے ہیں، فلک الافلاک سے ٹکر لڑتے ہیں''۔

☆ ''واہ رے میاں شاہ جہاں! صاحب قرونِ ثانی، لاثانی قلعہ بنوا گئے۔ آج تک نہ کسی نے ایسا قلعہ بنوایا نہ بنوائے گا۔ سنگِ سرخ جانے کہاں سے منگوایا جو اس قلعہ مبارک کے صرف میں آیا۔ شفق کی سُرخی۔ جناب باری نے پتھر میں ملائی تب جا کر سنگِ سُرخ نے یہ آب و تاب پائی''۔

☆ ''سامنے حلوائی کی دکان ہے گویا گھی شکر کی کان ہے۔ میٹھے پکوان۔ مٹھائی کے خوان ان پر ورق نقرہ، گاہک ٹوٹے پڑتے۔ ایک دکان پر لوگ جلیبیاں چکھ رہے ہیں کہ یہ دکان صرف جلیبیوں کے لیے مشہور ہے۔ میاں آزاد حیرت سے تک رہے ہیں۔ عش عش کر رہے ہیں۔ واہ ری دلّی۔ واقعی

جیسا سنا تھا ویسا دیکھ لیا۔ دلّی دیکھی ۔ دلّی والے دیکھے گورے
دیکھے کالے دیکھے۔ چاندنی چوک کے لالے دیکھے‘‘۔

میاں آزاد جب بمبئی میں ہوتے ہیں تو ٹرین کے سفر کے دوران ایک مسافر نائب جھانسوی نے ان کا بٹوا مار لیا۔ جب بمبئی پہنچ کر ٹی ۔ٹی ۔ نے ٹکٹ طلب کیا تو کیا ہوا؟

’’میاں آزاد نے جونہی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ بٹوا غائب، واہ رے میاں نائب۔ آخر پکے جھانسوی نکلے کہ ہم جھانسے میں آ گئے۔ کیا غچّا کھا گئے۔‘‘

بمبئی میں میاں آزاد کو بھنڈی بازار پہنچنا تھا۔ دیکھیں کیسے پہنچتے ہیں:

’’چند قدم چلنے کے بعد ایک پان والے سے
پوچھا ’’میاں بھنڈی بازار کہاں ہے؟‘‘ اس نے جواب
دیا ’’یہی تو ہے‘‘۔ اس پر میاں آزاد نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی
۔کہیں کوئی کنجڑے کی دکان نظر نہ آئی۔ بھنڈی بازار میں
بھنڈی تو کیا ترکاری کا نام و نشان نہیں۔‘‘

ٹرین کے سفر کے دوران سامنے کی سیٹ پر ایک خوبصورت سی لڑکی بیٹھی تھی۔ یوں تو بیشتر مسافر اس کے حسن و جمال پر فریفتہ تھے لیکن میاں آزاد حسبِ معمول اس پر ہزار جان سے عاشق ہو گئے لیکن جب اس دوشیزہ کا شوہر سامنے آیا اور وہ کوئی فوجی افسر معلوم پڑا تو میاں آزاد یوں اپنے آپ کو سمجھانے لگے:

’’میاں! وہ نازک اندام و گلفام، تو نامراد و ناکام
، وہ اپنے حسن و جمال پر مغرور، تو شراب عاشقی کے نشے میں
چُور، وہ بت مہوش، تو بند سبوکش، تیرا اس کا کیا سامنا ہے، گویا
مٹھی میں ہوا کا تھامنا ہے۔ اس کی ’’چاہ کرنا‘‘ اندھے کنویں
میں گرنا ہے۔‘‘

ہمت رائے شرما جی کے تحریر کردہ اس سفر نامہ میں مجھے ایک ہلکا سا کھٹکا ہوا تھا۔ میاں

آزاد اور میاں خوجی حقیقتاً ہم سب کے اندر کے دو رُخ ہیں جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ میاں آزاد ہماری شخصیت کا مہم جو اور سیاح کردار ہے جب کہ میاں خوجی اسی سیاحت کے دوران مضحکہ خیزی کی صورت ہے۔ ہمت رائے شرما جی نے میاں خوجی کو اس سفر میں شامل نہیں کیا لیکن نئے زمانے کی صورتحال کے سامنے میاں آزاد کے کردار میں میاں خوجی کی تھوڑی سی مضحکہ خیزی بھی شامل کر دی ہے۔ سیاسی جلوس میں میاں آزاد کا بھوت بننا، جلوس میں کتوں کی بھگدڑ سے لے کر میاں آزاد کے تھانے جانے تک، ایسے لگتا ہے جیسے میاں خوجی نے میاں آزاد کا لبادہ پہن لیا ہے اور سرگرم عمل ہیں لیکن شاید نئے زمانے کی صورتحال کے سامنے میاں آزاد کا حقیقتاً بھی یہی حال ہوتا۔

شرمیلا ٹیگور کے نام کو شرمیلا ناگور سے بدل کر ہمت رائے شرما جی نے بتایا ہے کہ کتنے ہی بڑے بڑے ہیرو ان سے شادی کرنا چاہتے تھے لیکن انہوں نے ایک سانڈ جیسے آدمی سے شادی کر لی۔ بات مزاحیہ رنگ میں کہی گئی ہے لیکن مجھے سنجیدہ ہونا پڑا ہے۔ شرمیلا ٹیگور ان ہیروئنوں میں شامل ہیں جو مجھے اچھی لگتی ہیں۔ ایک بار جب میں نے نواب پٹودی کو ٹی۔ وی پر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ مجھے وہ مردانہ وجاہت کا مثالی نمونہ لگے اور میں نے بے اختیارانہ کہا شرمیلا نے شاندار شوہر کا انتخاب کیا ہے۔ سو اپنا اختلافی بیان ریکارڈ پر لا رہا ہوں۔

بمبئی کے سفر کے دوران سب سے جاندار وہ حصہ ہے جہاں میاں آزاد فلم نگری کے اندر جاتے ہیں۔ چونکہ ہمت رائے شرما جی خود فلمی دنیا سے گہری وابستگی رکھتے ہیں اسی لئے فلمی دنیا کے احوال میں ان کے قلم کی جولانی دیکھنے کے لائق ہے۔ صرف ایک مثال:

’’مکالمہ نویس لڑکی کو جو سائڈ ہیروئن ہے، ڈائیلاگ سمجھاتے ہیں۔ وہ ہٹتی ہے، یہ آگے بڑھتے جاتے ہیں بار بار کہتے ہیں، کہو ’’کل آنا‘‘۔ سائڈ ہیروئن اپنی دھن کی پکی ہے۔ ہر بار یہی کہتی ہے ’’کل آ‘‘۔ مکالمہ نویس جھلا اٹھے۔ بولے کہو کل آنا۔ تم کل آ کیوں کہتی ہو۔ ’’نا‘‘ کیوں نہیں کہتیں۔ ایکسٹرا سپلائر جھٹ بول اٹھا ’’جناب اس نے نا کہنا سیکھا ہی نہیں۔ آپ اسے کوئی دوسرا ڈائیلاگ بتائیے۔ اتنے میں مکالمہ نگار ہڑبڑا کر اٹھے سائڈ ہیروئن سے کہا ’’دیکھیے میڈم آپ

نے ابھی تک اپنے ڈائیلاگ یاد نہیں کیے۔ وہ دیکھیے ڈائریکٹر کمل بوس اور پروڈیوسر بمل بوس آر ہے ہیں۔'' سائیڈ ہیروئن نے بے پروائی سے کہا'' آنے دو میں بوسوں سے نہیں ڈرتی''۔

دلّی کے سفر کے دوران میاں آزاد ایک صاحب کا گھر کیسے تلاش کرتے ہیں اور کیسے وہاں تک رسائی پانے کی کوشش کرتے ہیں اس کا ایک نمونہ بھی دیکھ لیں:

> ''دوسرے دن ادھر مہرِ عالم افروز بصد کروفرنور افشاں ہوا ادھر کوچہ گردوں کے پشت پناہ، رہ نوردوں کے قبلہ گاہ۔ قلمرو وحشت کے شہنشاہ ذیجاہ۔ استادوں کے استاد، میاں آزاد ماڈل ٹاؤن کی طرف روانہ ہوئے۔ اپنا سینما کے پچھلے دروازے سے ہوتے ہوئے ایف بلاک میں داخل ہوئے کہ سامنے ہی کوٹھی پر ڈائریکٹر گلاب چند نارنگ کا بورڈ دکھائی دیا۔ اندر سے نوکر آیا۔ پوچھا آپ کہاں سے آئے ہیں۔ صاحب گھر پر نہیں ہیں۔
>
> آزاد''اگر ڈائریکٹر صاحب نہیں ہیں تو ہمیں''ڈائریکٹری'' صاحبہ سے ملوادو''۔
>
> نوکر:''وہ بھی گھر میں نہیں ہیں''۔
>
> آزاد:''کیا نارنگ صاحب کے ساتھ نارنگی صاحبہ بھی گئی ہیں؟''

دلّی میں میاں آزاد ایک ادبی مجلس میں پہلی بار''نثری نظم'' کے ایک شاعر کا کلام سنتے ہیں۔ دیکھیں میاں آزاد پر کیا بیتی:

> ''صاحب صدر نے تعارف کرایا''۔ یہ بہت بڑے باغی شاعر ہیں۔ نثری نظموں کے استاد ہیں۔ جدید شاعری انہیں کی دین ہے۔ صفِ اول کے''جدیدیئے''۔

> میاں آزاد یہ سنتے ہی سوچنے لگے انیسیے۔ وبیریے۔ میرییے تو سنتے آئے ہیں۔ شاید یہاں غالبیے۔ اقبالیے بھی ہوں۔ بھلا یہ جدیدیئے کیا بلا ہیں۔ کہ اتنے میں انہوں نے کلام سنانا شروع کیا۔ نہ سر نہ پیر۔ الٰہی خیر۔ جو جی میں آیا کہے جا رہے ہیں۔''

میاں آزاد کے دونوں سفر ناموں میں بدلے ہوئے زمانے کے سماج کو کہیں طنزاً اور کہیں حیرت کے ساتھ دیکھا گیا ہے۔ بمبئی کی فلمی سیاست اور دلّی کی اندرون ملک سیاست کے منفی رخوں پر گہرا طنز کرتے ہوئے ان کی مضحکہ خیزیوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ہمت رائے شرما جی نے رتن ناتھ سرشار کے انداز بیان کو اپنانے میں اپنی مہارت کا کمال دکھایا ہے۔''میاں آزاد کا سفر نامہ'' صرف پیروڈی ہی نہیں ہے۔ پیروڈی کے روپ میں ہمیں اپنے کلاسیکل لٹریچر کی اہمیت کا احساس دلایا گیا ہے۔ اس کی طرف راغب کرنے کے لیے ایک تخلیقی کاوش کی گئی ہے۔

☆☆☆

(مطبوعہ سہ ماہی **آواز** نیویارک۔ جلد اول شمارہ:۴، ۱۹۹۹ء)

ہمت رائے شرما کی شاعری۔ایک تعارف

اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما جی سے میرا تعلق گہری محبت کا تعلق ہے۔ان کے شعری مجموعہ ''شہابِ ثاقب'' کا مطالعہ کرتے وقت بھی ان کی محبت مجھ پر حاوی رہی۔''شہاب ثاقب'' میں اردو غزلیں،نظمیں، گیت، ماہیے،قطعات اور لخت لخت اشعار کے ساتھ ہمت رائے شرما جی کا فارسی کلام بھی شامل ہے۔اس مجموعہ کی اشاعت میں ''فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی اتر پردیش'' کا مالی تعاون بھی شامل تھا۔کتاب کے پہلے صفحہ پر یہ الفاظ تحریر ہیں۔''اردو میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب جس میں صاحب کتاب نے اپنی کچھ تخلیقات کے تصریحی اسکیچز بھی خود ہی بنائے ہیں'' کتاب کے اندر مختلف صفحات پر گیارہ خوبصورت اسکیچز ہیں جو بعض تخلیقات کی تصریح کے ساتھ خود ہمت رائے شرما کے مصورانہ کمال کا اظہار بھی ہیں۔سرورق بھی شرما جی کا اپنا بنایا ہوا ہے۔کتاب میں 8 صفحات پر سترہ تصویریں بھی شامل ہیں۔ان میں شرما جی مختلف سیاسی اور ادبی شخصیات کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔سیاسی شخصیات میں پنڈت جواہر لال نہرو، راجگو پال آچاریہ، مرار جی ڈیسائی، مسز اندرا گاندھی، وجے لکشمی پنڈت اور ادبی شخصیات میں راجندر سنگھ بیدی، صادقین ، ڈاکٹر خلیق انجم، ڈاکٹر عالیہ امام، خواجہ احمد عباس، رام لال ، گوپال مِتّل اور بعض دیگر شخصیات شامل ہیں۔

''حرف آغاز'' میں ہمت رائے شرما جی نے بتایا ہے کہ وہ 1984ء میں اشاعت پذیر ہونے والے اس شعری مجموعہ کو بیس سال پہلے چھپوالینا چاہتے تھے لیکن بوجوہ تاخیر ہوتی گئی۔ہمت رائے شرما جی نے ایک جگہ لکھا ہے۔''اس میں کچھ گیت اور نظمیں طالب علمی کے زمانے کی ہیں ۔کچھ گیت ایسے بھی ہیں جو مختلف فلموں میں آ چکے ہیں۔'' ہمت رائے شرما جی نے ادب کے ایک

''خاص طبقہ'' کو بطور خاص زد پر رکھا ہے اور بجا طور پر ان کے غیر تخلیقی رویے کی نشاندہی کی ہے۔ شرما جی لکھتے ہیں:

''میری مراد اس طبقے سے ہے جسے ہر بات کا ٹھوس اور بین ثبوت چاہیے جسے ہر کام ناپ تول کر کرنے کی عادت ہے جس کے لئے محبت کا ایک خاص معیار ہے جو چکوری کو چاند تک پہنچنے کے لیے میلوں،کلومیٹروں اور گھنٹوں کا حساب کرتا ہے جو پروانے کے جلنے کے لئے شمع کا درجہ حرارت ناپتا ہے جو آنسوؤں کے لیے مقیاس المطر ڈھونڈتا ہے۔میں سمجھتا ہوں شاعری فقیروں کا حصہ ہے، حساب دانوں اور سائنس دانوں کا نہیں۔''

''شہابِ ثاقب'' کا ''مقدمہ'' فراق گورکھپوری کا تحریر کردہ ہے۔یہ 12 دسمبر 1964ء کی تحریر ہے۔مجموعہ کی اشاعت سے 20 سال پہلے کی تحریر جس سے شرما جی کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ یہ مجموعہ بیس سال پہلے شائع کرانا چاہتے تھے۔مقدمہ کے بعد غزلیں شائع کی گئی ہیں۔ان کی غزل کے ایک شعر نے مجھے روک لیا:

آج قسمت میں اگر صحرانوردی ہے تو کیا
منزلیں ڈھونڈیں گی اک دن میرے قدموں کے نشاں

آج اردو ماہیے کی تحریک کی منزل نے خود ان کے قدموں کے نشاں ڈھونڈ نکالے ہیں۔اردو ماہیے کی دنیا میں ہمت رائے شرما جی کا وہی مقام اور مرتبہ ہے جو اردو غزل کی دنیا میں حضرت امیر خسرو کا ہے۔ہمت رائے شرما جی کی غزلوں کے تعارف کے طور پر چند اشعار یہاں پیش کیے دیتا ہوں کہ یہ اشعار ان کی غزلوں کا خود عمدہ تعارف کرا دیں گے۔

شرط باندھی ہے پھر قیامت سے
سامنے آیئے خدا کے لیے

میں خدائی سے خود سمجھ لوں گا
میرے ہو جایئے خدا کے لیے

اپنی فریب خوردہ نگاہیں جدھر اُٹھیں
نظریں چُرا چُرا کے نظارے نکل گئے

بھیڑ جلووں کی کیسی ہے کہ رخساروں پر
جگہ دیجئے مری نظروں کو بھی تل دھرنے کی
ان ڈھلکتے ہوئے اشکوں میں یہ کیا عادت ہے
چند ٹوٹے ہوئے سیاروں کو سر کرنے کی

ابھی نصیب میں لکھی ہیں ٹھوکریں شاید
ابھی تو باقی ہیں احسان اس زمانے پر

بزم ہستی کو پلٹ کر رکھ دیا
زندگی کے خواب کی تعبیر نے

دیکھتے دیکھتے نظارے بدل جائیں گے
انقلابات کے آثار نظر آتے ہیں

میں تب بھی ناخدا ہوتا ہوں خود اپنے سفینے کا
کہ جب دریائے دل کی موج خود طوفان ہوتی ہے

مرے سوا تری دنیا میں کون ہے یارب
جو تیرے بخشے ہوئے غم سے اتنا پیار کرے

جو مرد مومنِ غازی علی کا بندہ ہے
کہو اجل سے ذرا اس سے آنکھیں چار کرے

رہے وہ جانِ جہاں، یہ جہاں رہے نہ رہے
مکیں کی خیر ہو یارب مکاں رہے نہ رہے

مانا کہ آپ دل کے جنازے کے ساتھ تھے
لیکن حضور! آپ بہت دور دور تھے

ایسے اشعار سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمت رائے شرما جی کے غزلیہ لہجے میں روایت کی آن بان بھی ہے اور نئے زمانے کے تقاضوں کا احساس بھی ہے۔ نظموں کے حصہ میں شرما جی کی تین نظمیں ''گلبانگ''، ''آنسو'' اور ''وقت'' مجھے مسلسل غزل جیسی لگیں۔

کوئی روتا ہے شب کو اوس بن کر
سناتے ہیں جب اپنی داستاں گل
(گلبانگ)

ہجوم یاس کو آنکھوں میں پا کر
نکل آتے ہیں جھٹ گھبرا کے آنسو
(آنسو)

شرما جی کی ساری نظمیں پابند نظمیں ہیں۔ عمومی طور پر یہ نظمیں بلند آہنگ ہیں۔ جہاں

کہیں خطابیہ انداز آجاتا ہے وہاں جوشؔ جیسا طنطنہ محسوس ہونے لگتا ہے۔قدیم روایت اور ترقی پسند روایت کے نقطۂ اتصال پر یہ نظمیں تخلیق ہوئی ہیں۔ان نظموں سے چند اشعار کی مثالیں پیش کرنے سے نظموں کا بہتر تعارف ہو سکے گا۔

ایک دھندلا سا نشاں ہے جسے منزل کہہ لو
نامرادی کا ہے مسکن جسے اب دل کہہ لو
(جدائی)

کبھی وہ دن تھے کہ اپنا بھی آشیانہ تھا
نہ جانے ایک حقیقت تھی یا فسانہ تھا

شب ستم تھی اچانک برس پڑے تھے نجوم
اکیلی جان پہ ٹوٹا تھا بدلیوں کا ہجوم
(گردشِ دوراں)

آپ ہی آپ سلگ اٹھتے ہیں تاروں کے حباب
آپ ہی آپ چھلک جاتی ہے چشمِ پُر آب
کوہساروں سے لپٹ جاتے ہیں وارفتہ سحاب
آ کے سو جاتے ہیں آنکھوں میں تھکے ماندے
سراب
(آمد)

اگر میسر نہیں ہیں تنکے، ہوا ہے دشمن اگر زمانہ
بجائے تنکوں کے بجلیوں سے بنا کے چھوڑوں گا آشیانہ
(ارادے)

ایک نظم ''جذبۂ پاک'' کے زیرِ عنوان شامل ہے۔یہ نظم برصغیر کے اس دور کی یاد دلاتی ہے جب مذہبی رواداری تکلف کے طور پر نہیں بلکہ دلوں کے اندر سے اگتی تھی۔اس نظم کے چند اشعار دیکھیں:

حمد باری کے بعد اے خامہ
مئے وحدت کا بھر کے لا اک جام
دل میں رکھتا ہوں ایک جذبۂ پاک
ہے مجھے احترام پاک کلام
میرے مولا ، مرے خداوندا
تیرے محبوب کا ہوں میں بھی غلام
اہلِ اسلام کو ''مبارک ہو!''
عید میلاد بانیِ اسلام

ہمت رائے شرما کے گیتوں کو ہندی گیت کی قدیم روایت کے تناظر میں بھی دیکھا جا سکتا ہے اور ان کی فلمی گیت کاری کے حوالے سے فلمی پس منظر سے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ان کے گیت دونوں حوالوں سے کھرے اترتے ہیں۔ادبی لحاظ سے ایسی عمدہ مثالیں ان کے گیتوں میں موجود ہیں:

۱۔

اے مدھ ماتی شام گھٹاؤ
جاؤ دیش پیا کے جاؤ
عرض ہماری سنو سجنوا سپنوں میں نہیں آؤ
ہمری ہنسی اڑاتے ہیں ہنس ہنس کر من کے گھاؤ
اے مدھ ماتی شام گھٹاؤ۔۔۔

۲۔

ساجن!
کون بندھاوے دھیر
دکھ وہ جانیں جو سہتے ہیں
ان نینوں میں دو رہتے ہیں
اک ساجن اک نیر
ساجن کون بندھاوے دھیر

اوراس گیت کی امیجری دیکھیں جس نے ہندی گیت کے سارے زمانوں کو جیسے ایک زمانے میں یک جا کر دیا ہے:

ذرا تھم جا تُو اے ساون! مرے ساجن کو آنے دے
مرے روٹھے پیا کو پھر مری بگڑی بنانے دے
میں تیری بجلیوں کی گوٹ آنچل پر لگاؤں گی
تری کالی گھٹائیں پیس کے کاجل بناؤں گی
تری ہلکی پھواریں گوندھ کے مالا بناؤں گی
سلونے کے رجھانے کو مجھے سپنے سجانے دے
ذرا تھم جا تُو اے ساون! مرے ساجن کو آنے دے

گیتوں کے حصہ میں ہمت رائے شرما جی کے دس ماہیے شامل ہیں۔ یہ سارے ماہیے فلم ’’خاموشی‘‘ کے لیے 1936ء میں لکھے گئے تھے۔ یہ ماہیے دو ماہی ’’گلبن‘‘ احمد آباد کے ماہیا نمبر (شمارہ جنوری تا اپریل 1998ء) میں دوبارہ چھپ چکے ہیں۔ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کے تحقیقی مضمون ’’اردو ماہیا کی روایت سے متعلق ہمت رائے شرما کی وضاحت‘‘ مطبوعہ سہ ماہی ’’کوہسار‘‘ اگست 1997ء کے ذریعے یہ ماہیے پہلے ہی سامنے آ چکے تھے۔ یہاں ایک ماہیا تبرکاً درج کر رہا ہوں:

اک بار تو مل ساجن
آ کر دیکھ ذرا
ٹوٹا ہوا دل ساجن

قطعات اور اشعار کے آخری حصہ سے چند اشعار بھی یہاں پیش کئے دیتا ہوں:

پاؤں سے لپٹی ہوئی ہے کوچۂ جاناں کی خاک
جانے کب سے زیرِ پا منزل لیے پھرتا ہوں میں

کیا کرے تدبیر کوئی اور سمجھائے بھی کیا
خود مصور نے بگاڑا ہو اگر تصویر کو

لٹ کے رہ جائیں ستاروں کے نصیب
چاندنی راتوں میں یہ اندھیر کیا
تابشِ نور جمال یار سے
دیدۂ نم کو پسینہ آ گیا

فسانۂ شب غم یوں تو کوئی خاص نہیں
ذرا سی برق نوازی تھی آشیانے کی

خود نہیں واقف ہم اپنے نام سے
کیا شکایت گردشِ ایام سے
جانِ مضمون بتا کیسے سمٹ کر آئی تیرے رخساروں پہ سرخی مرے افسانے

رہو دل میں، نہ جھانکو چشمِ تر سے　　　　بھری برسات میں نکلو نہ گھر سے

خیر گزری کہ جبیں سائی پہ ماتھا ٹھنکا
ورنہ اس بت کے لیے مفت میں کافر بنتے

ہمت رائے شرما جی کا یہ بیان سوفی صد درست ہے کہ شاعری فقیروں کا حصہ ہے۔ ہمت رائے شرما نے خوبصورت شاعری کی۔ جب فلمی دنیا میں مقتدر ہستی تھے تب اپنے اس فقیری اثاثے کو چھپائے رکھا۔ جب فلمی دنیا سے الگ ہو گئے تو اپنا فقیری سرمایہ لے آئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ 1964ء کی بجائے 1984ء میں اپنا مجموعہ چھپوانے کی اصل وجہ یہی فقیرانہ جذبہ تھا۔ اس کے باوجود شرما جی کے فن کو مقتدر ادبی شخصیات نے خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔، مالک رام، ظ۔ انصاری، مظہر امام، شان الحق حقی، ڈاکٹر خلیق انجم، پروفیسر ڈاکٹر عبدالستار دلوی، ڈاکٹر یونس اگاسکر، خواجہ عبدالغفور، شیخ محمد عبداللہ، شیو شنکر، مجتبیٰ حسین، آمنہ ابوالحسن، صادق علی، خواجہ احمد عباس، مخمور سعیدی، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، یوسف ناظم، ڈاکٹر اخلاق اثر، علی عباس امید، انوار انصاری، خالد عبادی، عارف مرزا۔ یہ ان ادیبوں کے ناموں کی ایک نامکمل فہرست ہے جو کسی نہ کسی زاویے سے ہمت رائے شرما جی کے فن کی توصیف کر چکے ہیں۔

ہمت رائے شرما جی کے تئیں میرا رویہ سراسر محبت کا ہے۔ مجھے تو ان کی شخصیت کے ہر پہلو سے محبت ہے۔ سو میرے لیے تو ان کی شاعری بھی خوبصورت ہے لیکن ایسے لوگ جو شرما جی کے سلسلے میں کسی ترجیحی رویے کے بغیر انہیں غیر جانبداری سے پڑھیں گے وہ بھی یہ اعتراف کریں گے کہ شرما جی تیس اور چالیس کی دہائیوں میں نمایاں والے کئی شاعروں سے کہیں زیادہ معتبر اور اہم شاعر ہیں اور ان کی شاعری آج کے زمانے کے لیے بھی جانی پہچانی ہے۔

اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما کی شاعری کے جملہ پہلوؤں کا تعارف کراتے ہوئے مجھے ذہنی اور قلبی خوشی ہوئی ہے۔ میں اسے اپنے لیے اعزاز سمجھتا ہوں کہ مجھے ان کی شاعری کا تعارف کرانے کی توفیق ملی ہے۔۔۔۔۔ (مطبوعہ ماہنامہ **پروازِ ادب** پٹیالہ، شمارہ: جولائی اگست ۱۹۹۹ء)

ہمت رائے شرما جی کی دو کتابیں

''ہندو مسلمان'' اور ''نکاتِ زباندانی'' ہمت رائے شرما جی کی دو کتابیں ہیں۔ پہلی کتاب ان کے افسانوں کا مجموعہ ہے جب کہ دوسری کتاب میں وہ ایک ماہرِ لسانیات کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ یہاں ان دونوں کتابوں کا اختصار کے ساتھ تعارف کرانا مقصود ہے۔

ہمت رائے شرما جی بحیثیت افسانہ نگار راشد الخیری اور پریم چند جیسے انداز میں لکھتے ہیں۔ ان کے سامنے ایک واضح مقصد ہوتا ہے۔ افسانے کے واقعاتی تسلسل سے گزرتے ہوئے وہ اپنے مقصد کی منزل تک پہنچتے ہیں۔ ہندو، مسلم اتحاد کو مستحکم کرنے کی کاوش ہی ان کا مقصد ہے۔ پہلے افسانے ''ہندو مسلمان'' کے آغاز میں ہی انہوں نے فریقین کی مخصوص الزام تراشیوں کی گرد صاف کر دی ہے۔ ہندو، مسلمانوں کو بیرونی حملہ آور کہتے ہیں تو خود آریا لوگ بھی باہر سے ہی آئے تھے۔ اس سلسلے میں افسانے کے ایک کردار کے ذریعے شرما جی کہتے ہیں:

''میں نے اپنے بڑے بھائی کی کتاب میں پڑھا ہے کہ اصلی باشندے کول، دراوڑ اور بھیل ہیں۔ آریہ لوگ اور مسلمان بعد میں آئے۔''

اس مجموعے میں چار طویل افسانے شامل ہیں۔ ''ہندو مسلمان''۔ ''مرگِ نینی''، ''دو چراغ ایک لو'' اور ''ڈیڑھ اینٹ کی مسجد''، ''ہندو مسلمان'' جلیانوالہ باغ کے المیہ کے پس منظر سے ابھرنے والی ایک کہانی ہے۔ اس میں ہندو اور مسلمان دونوں دوست وطن کی آزادی کی راہ میں اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں۔ آخری میں ایک لاش کی تدفین اور ایک کو جلانے کے مسئلہ پر تھوڑا سا سسپنس پیدا کرنے کے بعد شرما جی نے بڑے ڈرامائی انداز میں کہانی کا اختتام کیا ہے۔

''مرگِ نینی'' انگریزوں کی غلامی سے نجات پانے کے لیے کی جانے والی ایک ناکام جدوجہد کی کہانی ہے۔ ایسی متعدد ناکامیوں کے بعد آخر کار برصغیر کے عوام انگریز کی غلامی سے

نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔اس میں ایک عورت جدوجہد کی ناکامی کو مدِنظر رکھ کر اپنی شوہر کی جان بچانے کے لیے ایک مجبوری کے باعث ازخود اپنی خوبصورت آنکھیں پھوڑ لیتی ہے۔ یہ ایک جذباتی انداز کی کہانی ہے لیکن اس کا بنیادی مقصد ہندوستان کو انگریزی حکومت کی غلامی سے آزاد کرانا ہے۔

’’وہ چراغ ایک لَو‘‘ ایک برہمن پنڈت اور ایک مسلمان مولوی کی کہانی ہے۔ دونوں ہی متعصب اور تنگ دل ہیں لیکن پھر ایسا ہوتا ہے کہ برہمن کی جان بچانے کے لیے ہسپتال میں مولوی خون دیتا ہے اور برہمن پنڈت کے بھائی کے مرنے پر اس کی آنکھیں مسلمان مولوی کو روشنی عطا کر دیتی ہیں۔

’’ڈیڑھ اینٹ کی مسجد‘‘ ایک مہنت خاندان میں پلنے والے یتیم کی دردناک کہانی ہے۔ جسے حصے کے طور پر زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے سورگباشی باپ کے وعدے کی تکمیل کے لیے اور اپنی منہ بولی مسلمان بہن کے سسرال کی لاج رکھنے کے لیے زمین کا اپنا حصہ مسجد کے لیے دے دیتا ہے جس پر اس کا مہنت چچا اسے گولی مار کر ہلاک کر دیتا ہے۔ تاہم وہ نوجوان مرنے سے پہلے اپنے لہو سے مٹی گوندھ کر مسجد کے سنگِ بنیاد کے لے اینٹ بناتا ہے اور مسجد میں نماز کا انتظام کرتا ہے۔ ’’اُدھر موذن نے اذان دی۔ اِدھر ’’کافر‘‘۔ اللہ کو پیارا ہو گیا‘‘

ہمت رائے شرما جی کے ان افسانوں میں مقصد کو بے شک فوقیت حاصل ہے تاہم ان میں ادبی رنگ شامل ہے۔ کہیں کہیں انہوں نے طویل ڈائیلاگ کے ذریعے حصول مقصد کے لیے راہ ہموار کی ہے تو کہیں طنز و مزاح سے کام لے کر درد کی شدت کو کم کرنے کی کاوش کی ہے۔ مثلاً راون کے دربار میں انگد اور راون کے درمیان تکرار شروع ہوئی اور گالی گلوچ تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ ویسے بھی پچھلے چند ماہ سے دونوں کا آپس میں جھگڑا چلا آ رہا تھا۔ دونوں جوش میں آ کر اپنے اپنے خود ساختہ اور خود نوشتہ مکالمے کے ساتھ ایک دوسرے کو کھلم کھلا گالیاں دینے لگے۔ انگد نے کہہ ہی دیا ’’حرامی سالا، لنکا کا راجہ بنا پھرتا ہے سالا۔ ابھی تک سوا دو روپے جو ادھار لیے تھے وہ تو دے نہیں سکا۔ بے شرم! غیرت ہے تو سونے کی لنکا کسی مارواڑی کے ہاں گروی رکھ دے‘‘۔۔۔

پردہ گرا دیا گیا اور باقی ماندہ سین ملتوی کر دینا پڑا۔ تھوڑی دیر بعد پتہ چلا کہ انگد اور راون پردے کے پیچھے گتھم گتھا ہو رہے ہیں۔‘‘

(ڈیڑھ اینٹ کی مسجد)

ان افسانوں میں ہمت رائے شرما جی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انہوں نے الفاظ کے برتاؤ میں زبردست فنکاری دکھائی ہے۔ اردو افسانے میں ایسی مثالیں موجود تو ہیں لیکن کم کم۔ جب کہ ہمت رائے شرما جی کی 160 صفحات کی اس کتاب میں جا بجا ایسی مثالیں ملتی ہیں:

☆ ’’باغ، خونِ شہیداں سے لالہ زار بنا ہوا تھا۔‘‘

☆ ’’شام سنگھ اپنے باپ حکیم رام سنگھ کی نبض دیکھ رہا تھا جواب ساکت ہو چکی تھی۔‘‘

☆ ’’ایک اور محلے دار ملا جو لالٹین لیے مدھم سی روشنی میں اپنا نورِ نظر تلاش کر رہا تھا۔‘‘

☆ ’’دن ڈوب رہا تھا اور ساتھ ہی نینی کا دل بھی‘‘۔

☆ ’’تنگ دل برہمن اکثر کھلے کپڑے پہنتے ہیں۔‘‘

☆ ’’پنڈت جی اور پنڈتانی جی دونوں ایسے ہندسے تھے جو ایک دوسرے پر پورے پورے تقسیم ہو جاتے۔ ساری زندگی حساب یعنی جمع، تفریق، ضرب، تقسیم سے کام لینے والے پنڈت جی کے ہاں لے دے کے ’’حاصل ضرب‘‘ بس ایک لڑکا تھا۔‘‘

☆ ’’مولوی محمد حسین جو بڑے متعصب قسم کے آدمی تھے نہایت کمینہ قسم کے انسان اور عجیب طرح کے ’’مسلمین‘‘۔ مسلم کم اور مین زیادہ۔ وہ تنگ دلی میں پنڈت جی کے ہم پلہ تھے۔‘‘

☆ ’’دیوالی آئی، چراغ جلے، بجھے ہوئے دل سے ’’ایشور‘‘ نے ساری حویلی میں چراغ روشن کیے۔‘‘

یہ زباندانی، الفاظ کا یہ خوبصورت برتاؤ ہمت رائے شرما کی انفرادیت کا ثبوت ہے۔ الفاظ کے ساتھ ان کا یہ تعلق محض کاغذ اور قلم کا تعلق نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے زندگی بھر الفاظ کی جادوگری کو سمجھنے کی کاوش کی ہے۔ لگ بھگ چالیس سال کی محنت کے بعد انہوں نے اپنی کتاب ’’نکاتِ زباندانی‘‘ مکمل کی تھی، جو میرے پیش نظر ان کی دوسری کتاب ہے۔

''نکاتِ زباندانی'' کے پیش لفظ میں ہمت رائے شرما جی نے زبان کے اصول وضوابط سے لے کر'' قواعد کی قیود سے رہائی'' تک کے مسائل پر مختصراً اظہارِ خیال کیا ہے۔''اردو'' کے زیرِ عنوان لکھے گئے حصہ میں اردو زبان کے آغاز کے سلسلے میں انہوں نے اپنا مؤقف واضح کیا ہے اور لشکری زبان میں دوسری زبانوں سے آ ملنے والے الفاظ کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔اس کے بعد حروف کا اصل مآخذ، مطلب اور اس کے بارے میں دیگر اہم معلومات درج کی گئی ہے۔اس کے بعد''الفاظ متشابہ'' درج کیے گئے ہیں۔صرف دو مثالیں:

ابد: ہمیشہ　　عبد: بندہ

انیس: دوست　　اُنیس: ۱۹ ہندسہ

ان کے بعد تذکیر وتانیث، محاورات، واحد جمع اور صحیح، غلط کے تحت اہم الفاظ کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔ واحد، جمع کے حصہ میں بعض الفاظ تو میرے لیے انکشاف اور مزے کا موجب بنے ہیں۔اپنے جیسے قارئین کے لیے ایسے چند الفاظ بھی یہاں بطور نمونہ پیش ہیں:

امجد: اماجد　　اسیر: اُسارائے

بندر: بنادر　　تاج: تیجان

جاسوس: جواسیس　　حوض: حیاض

دماغ: ادمغہ

کتاب کے دوسرے حصہ میں ''اصول۔قواعد'' کے تحت تحقیق الفاظ وتلفظ پیش کی گئی ہے۔ پھر علم عروض کے بارے میں بنیادی نوعیت کی معلومات درج کی گئی ہے، شاعری کی گرامر آسان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔آخر میں ان ہندی الفاظ کی ایک فہرست دی گئی ہے جو اردو میں رائج ہیں۔

میں پوری ایمانداری کے ساتھ لکھ رہا ہوں کہ ''نکات زباندانی'' کے ذریعے مجھے ایسا لگا ہے کہ میں ہمت رائے شرما جی کے سامنے ایک شوخ شاگرد کی طرح بیٹھا ہوں اور وہ میری شوخیوں پر مجھے شاباش دیتے ہوئے اسی بہانے سے رموزِ زباندانی سمجھائے جا رہے ہیں۔ میں نے یہ

کتاب اپنی فیروز اللغات کے ساتھ رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں اس کتاب سے مسلسل استفادہ کرتا رہوں گا۔

''ہندو مسلمان'' اور''نکاتِ زناندانی'' دونوں کتابوں کے آغاز میں جناب ریاض آفندی کا تحریر کردہ ''تعارف'' شامل کیا گیا ہے۔ ریاض آفندی نے علمی بصیرت اور خلوص کے ساتھ کتاب اور صاحب کتاب کے بارے میں اظہارِ خیال کیا ہے۔کتاب''ہندو مسلمان'' 160 صفحات پر مشتمل ہے جب کہ''نکاتِ زباندانی'' 240 صفحات پر محیط ہے۔دونوں کتابیں موڈرن پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی نے شائع کی ہیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت ختم کر کے محبت کو فروغ دینے کی کاوش کرنے والے افسانہ نگار اور اردو زبان سے محبت رکھنے والے شاعر اور دانشور ہمت رائے شرما جی کی شناخت کا یہ بنیادی حوالہ اردو ادب میں ہمیشہ بنا رہے گا۔

(مطبوعہ کتاب **اردو ماھیے کے بانی ھمت رائے شرما**)

ہمت رائے شرما بنام حیدر قریشی

بخدمت

جناب حیدر قریشی صاحب

مکرمی و محترمی!

آداب!

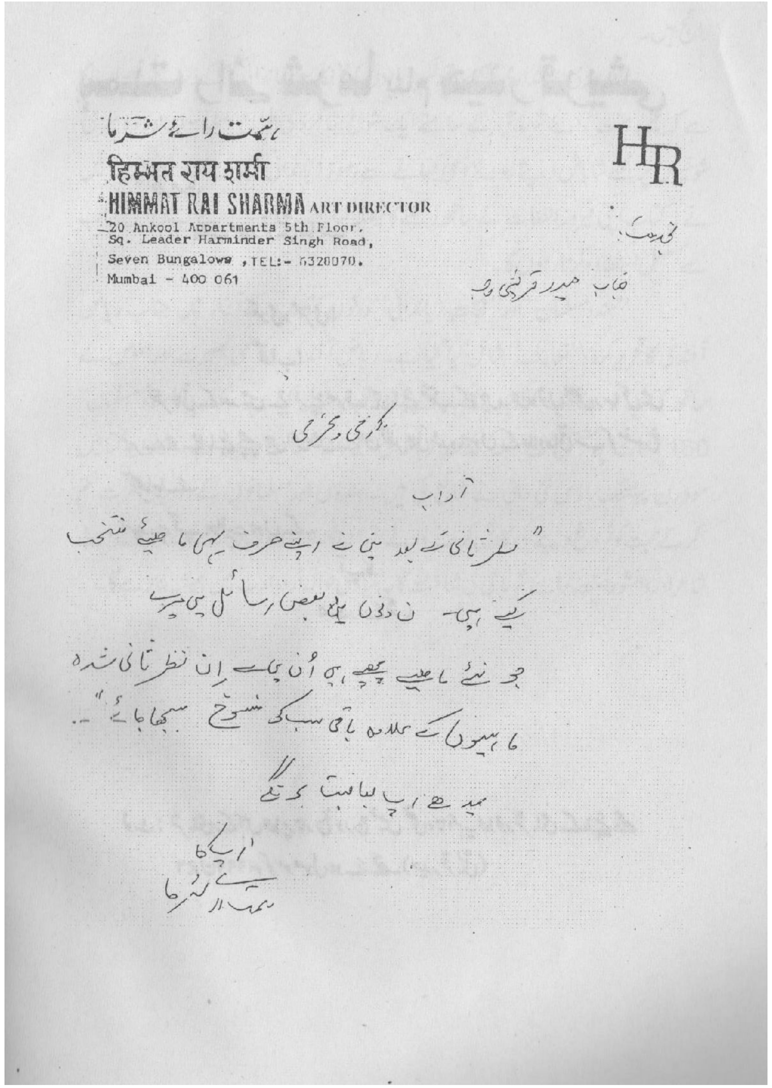
نظر ثانی کے بعد میں نے اپنے صرف یہی ماہیے منتخب کیے ہیں۔ان دنوں بعض رسائل میں میرے جو نئے ماہیے چھپے ہیں ان میں سے نظر ثانی شدہ ماہیوں کے علاوہ باقی سب کو منسوخ سمجھا جائے۔

امید ہے آپ بعافیت ہوں گے۔

آپ کا

ہمت رائے شرما

نوٹ: شرما جی کے اس خط پر تاریخ درج نہیں تھی تاہم یہ خط اور شرما جی کے ماہیے مجھے ٦ ر جون ١٩٩٩ء کو موصول ہوئے تھے۔(حیدر قریشی)



ہمت رائے شرما

हिम्मत राय शर्मा

HIMMAT RAI SHARMA ART DIRECTOR

20 Ankool Appartments 5th Floor.
Sq. Leader Harminder Singh Road,
Seven Bungalows ,TEL:- 6328070.
Mumbai - 400 061

HR

بخدمت:

جناب حیدر قریشی صاحب

مکرمی و محترمی

آداب

"نظر ثانی کے بعد میں نے اپنے صرف یہی ماہیے منتخب کیے ہیں۔ ان دنوں بعض رسائل میں میرے جو نئے ماہیے چھپے ہیں اُن میں سے اِن نظر ثانی شدہ ماہیوں کے علاوہ باقی سب کو منسوخ سمجھا جائے"۔

امید ہے آپ بعافیت ہوں گے

آپ کا

ہمت رائے شرما

ماہیے پر ماہیے

ماہیے کی کہانی ہے
ماہیے کی دُھن میں
ماہیے کی زبانی ہے

دو پھول گلاب کے ہیں
بھنگڑا اور ماہیا
تحفے پنجاب کے ہیں

جی کو بہلاتے ہیں
پیار بھرے ارماں
ماہیے کہلاتے ہیں

جب یاد ستاتی ہے
دل کی ہر دھڑکن
ماہیا بن جاتی ہے

ٹھنڈک بھی، حرارت بھی
ہوتی ہے ماہیے میں
شوخی بھی، شرارت بھی

رُودادِ جوانی ہے
اُردو ماہیے کی
کیا خوب کہانی ہے

خوشبو بڑی پیاری ہے
گویا ہر ماہیا
کیسر کی کیاری ہے

کوئی طرزِ بیان نہیں
اردو میں ماہیے
کہنا آسان نہیں

ماہیے کی پذیرائی
محنت ساروں کی
آخر رنگ لے آئی

سمٹا ہوا اَمبر ہے
نمبر ''گلبن'' کا
جو ماہیا نمبر ہے

شہکار بھی ہوتے ہیں
لیکن کچھ ماہیے
بے کار بھی ہوتے ہیں

کس دُھن میں رہتے ہیں
بعضے ماہیے کو
ٹپّہ بھی کہتے ہیں

ٹکڑوں پر پلتے ہیں
اب بھی کچھ شاعر
ماہیے سے جلتے ہیں

فن میں لاثانی ہیں
حیدرؔ ''ماہیے کی
تحریک'' کے بانی ہیں

عکسِ ابوابِ دل
اصل میں ماہیا بھی
ہے ایک کتابِ دل

اردو کے پیاروں کو
اللہ خوش رکھے
سب ماہیا نگاروں کو

آکاش کو بھی چھُو لے
یارب! دنیا میں
مِرا ماہیا پھلے، پھولے

فلم ''خاموشی'' کے ماہیے

اک بار تو مل ساجن
آ کر دیکھ ذرا
ٹوٹا ہوا دل ساجن

سہمی ہوئی آہوں نے
سب کچھ کہہ ڈالا
خاموش نگاہوں نے

کچھ کھو کر پائیں ہم
دور کہیں جا کر
اک دنیا بسائیں ہم

یہ طرزِ بیاں سمجھو
کیف میں ڈوبی ہوئی
آنکھوں کی زباں سمجھو

تارے گنواتے ہو
بن کر چاند کبھی
جب سامنے آتے ہو

سرمست فضائیں ہیں
پیتم پریم بھری
پھاگن کی ہوائیں ہیں

اشکوں میں روانی ہے
آنسو پی پی کر
مدہوش جوانی ہے

کچھ کھو کر پاتے ہیں
یاد میں ساجن کی
یوں جی بہلاتے ہیں

اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما

کیا اشک ہمارے ہیں
آنسو مت سمجھو
ٹوٹے ہوئے تارے ہیں

دو نین چھلکتے ہیں
ساجن آجاؤ
ارمان مچلتے ہیں

بھیگی ہوئی راتوں میں
ہم تم کھو جائیں
پھر پریم کی باتوں میں

مختلف زبانوں کے ماہیے

پنجابی

دو پتّر اناراں دے
اک واری میل کریں
رباوچھڑیاں یاراں دے

فارسی

ایں محفلِ یاراں است
گلبن گل مے کند
چہ فصلِ بہاراں است

ہندی

کیسی ترونی ہے
چندرمکھی سجنی
مرگ شاوک نینی ہے

بنگالی

ایکھن امی جا چھی نہ
بندھوا یشے چھے
امی دانڑاں تے پا چھی نہ

گجراتی

دیپک پن جاگے چھے
بھائی نقی ائی دا
تمے کیوو لاگے چھے

مراٹھی

اتا جاؤ کٹھے سانگا؟
گانی پریما چی
می گاؤ کٹھے سانگا

متفرق ماہیے

آ چھت پر آ سجنا
چاند نہیں نکلا
ذرا مکھڑا دکھا سجنا

مِری بگڑی بنانے آ
قسمت روٹھ گئی
اسے پھر سے منانے آ

پردیس تو جاؤ گے
یہ بتلا جانا
کب لَوٹ کے آؤ گے

کہیں دھوکہ نہ کھا جانا
کسی پردیسی کی
باتوں میں نہ آ جانا

کیا گُل یہ کھلا بیٹھے
اک پردیسی سے
ہم اکھیاں ملا بیٹھے

دنیا سے نہیں ڈرتے
عشق ہے لافانی
عاشق تو نہیں مَرتے

ٹھنڈی آہیں بھرتے ہیں
اک امید پہ ہم
جیتے، کبھی مرتے ہیں

دو بول ہیں گانے کے
بیتے دن سجنا
نہیں واپس آنے کے

کیا جرم ہمارا ہے
چھوڑ کے مت جانا
اک تیرا سہارا ہے

تاروں بھری راتیں ہیں
پیار کی باتیں بھی
سب کہنے کی باتیں ہیں

کیوں پھول نہیں کھلتے
بدلی نچوڑ چکے
میرے اشک نہیں ملتے

موجوں میں روانی ہے
موج اُڑا سجنا
دو دن کی جوانی ہے

پھولوں سے لدی ڈالی
جھوم کے پھر آئی
ساون کی گھٹا کالی

پردیس نہ جا سجنا
آنکھوں میں بس جا
میرے سپنے سجا سجنا

نفرت کا صلہ کیسا؟
اپنی خطائیں ہیں
یزداں سے گلہ کیسا؟

کچھ کر کے دکھاتی ہے
رحمت مولا کی
جب جوش میں آتی ہے

وہ رام، رحیم بھی ہے
ایک ہی مالک ہے
جوکرشن، کریم بھی ہے

بھٹکا ہوا راہی ہے
کون سی بدلی میں
میرا چن ماہی ہے

رو رو بے حال ہوئی
زندہ دلی اپنی
جی کا جنجال ہوئی

کس نے بھرمایا ہے
کون نگوڑی نے
پردیس بلایا ہے

آویزاں ہے تختی
ساتھ نبھاتی ہے
تا عمر سیّہ بختی

اشکوں کو پی لیں گے
کچھ نہیں بولیں گے
ہونٹوں کو سی لیں گے

اپنے بھی پرائے بھی
بھول ہی جاتے ہیں
آخر ماں جائے بھی

ہمراز نہیں آئی
شیشۂ دل ٹوٹا
آواز نہیں آئی

زلفوں کا اندھیرا ہے
مانگ میں دلہن کی
سانجھ اور سویرا ہے

پھولوں کو کھلنے دو
دنیا میں دو دل
ملتے ہیں، ملنے دو

کم ظرف جو ہوتے ہیں
اپنی ناؤ کو
وہ خود ہی ڈبوتے ہیں

کانٹوں کا بچھونا ہے
دل سے مت کھیلو
یہ ٹوٹا کھلونا ہے

دل چکنا چُور ہوا
جب سے چن ماہی
آنکھوں سے دور ہوا

جوگی کے نہیں پھیرے
دل جہاں آ جائے
وہیں ڈال دیئے ڈیرے

(حیدر قریشی)